

ایک منفرد اور مکمل ناول، ایک مکمل کہانی

پھر پھر

ایں صدقی



شیخ چلی بہت اداں تھا اداسی کی دبیر یہ تمہیں تھی کہ کام لجئیں اسیں اسیں
ذکر کی دار طبھی دیاں جان بن گئی تھی بکر وہ اسن پر اداں تھا کہ دار طبھی کے
متعلق اس کی توقعات غلط نکلی ہیں اس نے ایک قصہ کے سینڈری
اسکوں سے بیٹرک پاس کیا تھا اور یہی دار طبھی آٹھویں درجے سے ہے
کہ بیٹرک ملک اس کی شرکیہ زندگی تو خیر یہیں البتہ شرکیہ حال مفرز
ریسی تھی اور اس کا نیال تھا کہ وہ دار طبھی مغربی صفتیں کی دار طبھیوں
کی طرح آرٹسٹ اور پر کشیں ہیں تھے امداد اور اس پر ہر وقت بڑے
پیار سے راہ چیرتے رہتے کاغادی ہو گیا تھا ایسے مذاقع پر بالکل
ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے اس سرکش کو تابدیں رکھنے کے لئے
صرورتی ہے کہ اس سے جو بیسوں لگھنے ہملا یا جاتا رہے بہر حال اُسے
پہنی دار طبھی سے بے حد انسیں تھا۔ ایک نامہ
شیخ چلی نفیں آباد کے ایک قصے لوٹک لوٹا کا باشندہ تھا اور اس کا
باب یعنی شیخ چلی سنسر اس قصے کا تیسرا عظیم سمجھا جاتا تھا اسی
بیٹرک پاس کرنے والے بعد بعض بزرگواروں نے شیخ چلی سنسر کو مشواہہ

چلی نہ ہوتے تو انسانی تاریخ بالکل پاٹ ہوتی۔ نہ جنگیں ہوتیں اور نہ طوائف الملک فروغ پاتی۔ نہ عدج ہوتا نہ زدال۔ دُنیا اتنی پسروانی ہرگز نہ ہوتی اور مختلف اقسام کے چلی اس کے لئے سر دھڑکی بانی ن لگاتے۔

چلی ایک معیار ہے۔ ایک پہنچانے کے لئے کسی عاقل ترین آدمی کے احتمام
کو دنظر رکھتے ہوتے اس کی پوری زندگی کا تجزیہ کر ڈالتے اور چھپھوڑی
پر انگلی رکھ کر بیٹھے سوچا کیجئے "یا ری یہی تو چلی ہی تھا۔"
فراز "چیلیت" ایک آناتی حقیقت ہے۔ ہم نسبت چلی ہیں۔ یہیں بڑی
عجیب بات ہے کہ خود کو اس بھیرڑستے الگ کر کے تفریخ کے لئے
دوسرے چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اگر میری بات پر لقین نہیں
تو فر ایک نظر اپنے ہوا تی تلعوں پر بھی طالی یعنی، بھر تخت کے
پائیں اسے بننے ہوئے عقاب دھوکا نہ دی پے جائیں تو میرا ذمہ
اگر کھی کا ہنڈا میرے نہ کر جائے تو میں جواب دے۔ غرضیکہ بھر تخت
یا نہ تھا، مم بھی چلی تھی، بھی چلی، چلی ہے جگ سیارا سد نہیں
کہن تو بھر لالا خطر فرمائیے۔ فران پر لین چلی۔ دا پیڈ اسٹن۔ لائی

ابن الصفرا وابن العافية وابن صفوي وابن العافية وابن العافية

دیا کہ صاحبزادے کو اب کامی میں تعلیم دلوایتے۔ شیخ چلی سینسر شاہید اس وقت متورے سے سننے کے اور پسند کرنے کے موڑ میں بھتے، لہذا شیخ چلی جو یسکر کو بھی ان کے نیسلے کے آگے بھکنا ہی پڑا یہی اس کا ازادہ تو اب یہ تھا کہ گنے کے کھیتوں میں تباکو کی کاشت کرائے گا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر گنے کے کھیتوں میں تباکو کی کاشت کی جائے تو اپر حال میں میٹھی تباکو پیدا ہوگی۔

مگر اب اس کی یہ ایکم خاک کا ڈھیرن پکی تھی۔ اس لئے اب اسے انظر بیٹھیت میں انتیاری مضامین کے مقابل سے الجھاڑا۔ ہمیشے نام تو اس نے ایسے سنبھلے ہے، جو اس کے لئے بالکل سنبھلے اور عجیب تھے! مضامین کے متعلق معلومات لوٹک لوٹا ہائی اسکول کے ہیڈ مارٹن سے حاصل ہوئی تھیں۔ اردو اور فارسی سے توضیروہ واقف ہی تھا کیونکہ یہ دونوں اس کے گھر کی اونڈیاں تھیں، لیکن دوسرے مضامین کے نام سن کر ہی اس کے ہوش اڑا گئے، لیکن پھر جو غور کیا تو ان میں سے ایک نام کچھ کچھ مالوں سامعلوم ہوا۔ یہ ضمون تھا سایکالوجی در اسیں اسی وقت سے بینا میں کر لپنے منشی عبی را دادا آگے کے اور یاد بھی یوں آئے کہ ہیڈ مارٹن صاحب نے اس ضمون سایکالوجی کی تعریف بیان کرنی شروع کر دی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ اس ضمون سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس علم کا جانشناوالا صورت ذیکر کریں کسی آدمی کو پہچان لیتا ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہو گا اور بے چار یوں سچھ پلی تو اپنے باپ ہی کی زبانی

سینکڑوں بارہن چکا تھا کہ منشی ع کو مجھنا بہت مشکل تھے امداں نے سوچا کہ اگر سایکالوجی کی بد دستے اپنے منشی ع کو بمحض سکاتو جسے خدا کی بہت بڑا کار نامہ ہو گا کیونکہ یہ صرف اپنے سی کی دشواری نہیں تھی بلکہ اس کی اپنی معلومات کے مطابق اس کے ادا بھی منشی ع کو بمحض کاہی روزارو تھے ہوتے دنیا سی رخصت ہو گتھا تھا۔

بہر حال اس نے اپنے لئے تین اختیاراتی مضامین ارزوں فارسی اور سایکالوجی ب منتخب کر لئے لیکن شہر پنچالا دوسری دشواریاں را ہی میں جائیں ہو گئیں۔ یہ ضمون ایک کامی کے علاوہ اور کسی کامی میں نہیں پڑھایا جاتا۔ تھا بگر اس کامی کے متعلق یہ معلوم ہوتے ہی کہ وہاں مخلوط تعلیم رائج تھے۔ شیخ چلی نے کافوں پڑھا تھا رکھنے اور پھر داڑھی کو سہللتا ہوا جھپٹنے ہوتے اندر میں سملایا ہیں تب اس کے کو دانوں میں انگلی دبکر سکرانے کی بھی کو شش کرتا۔ میرود نے رائے دی کہ چھوٹے شیخ تھی جرجنگ ہی کیا ہے اڑکیاں آپ کی گوئیں ٹھوڑا ہی آپ ٹھیں گی۔ آفر کچھ دیر بعد شیخ جی نے شرمنیے انداز میں رضا مندی ظاہر ہی کر دی۔

بہر حال دا غلام جوں توں ہے ہی لیا بسکڑاڑھی کے متعلق اس کی توقعات غلط لکھیں اور اسے بے حد اداں ہو جانا پڑا۔ وہ مجھا تھا کہ شاہید در برے طالب علم اس داڑھی سے مرعوب ہو جائیں گے اور اسے آرائش ترسی تو فلاسفہ صورت ہمیں گے کیونکہ اکثر اس نے اپنی داڑھی میں بستراطی داڑھی کی جھلکیاں بھی محسوس کی تھیں۔

مگر اٹکے اس سیہوں تھیں ہوتے جیسے ہی دہ اس عظیم الشان بُرگد کے درخت کے نیچے پہنچا جو کافی کے مونوگرام میں نشان کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یکنہ ایئر کے کچھ لڑکوں نے اُنسے گھیر لیا۔ ایک نے کانڈھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”کو سیٹھ ادھر کہاں بھول پڑے“ نام سے آج کل بُلدی کے دام چڑھ رہے ہیں۔

”آ۔ آ۔ پ کو غص غلط فہمی ہوتی ہے شاید“ شیخ چلی ہمکلایا۔ ”ارے نہیں“ دوسرا بولا۔ واقعی تھیں غلط فہمی ہوتی ہے۔ میں انہیں بارہ سال کی عمر سے ریزہ بلیٹہ چباتے دیکھتا ارماد ہوں لیکن اس کے باوجود بھی انہیں یہ زوگ لگ کر اتنا بڑھ گیا ہے۔

”تم بھی بھول رہے ہو۔“ تیسرے نے کہا جو صورت ہی سے سو نیصدی لفڑا معلوم ہوتا تھا۔ ارے یہ تو پرسوں تک پھری میں گشت پیچا کرنے نکھے۔ ”میں لوٹک لوٹا کار میں اعظم ہوں“ شیخ چلی کو عصسہ آگیا۔ کسی نے پچھے سے اس کی لوپی اٹھادی اور وہ چلا کر مڑا ہی تھا۔ اک ادھر اٹھی ہوئی ٹوپی کے نیچے سے ظاہر ہو جانے والی چچت گاہ کوئی نے نواز کر کہ دیا۔

ایک تو شیخ چلی آپے سے باہر ہو کر اپنی ہی بوشیاں نوچنے لگا۔ پھر کچھ فریزہ لاتھا ہے تھے کہ اچانک ایک بہت لمبا ادمی اُن کے درمیان آگیا۔ ”ہٹویے ایک طرف“ اُس نے دو ایک کو دھکیلتے ہوئے کہا۔ بھیردا کافی کی طرح بچھت گئی۔ اس نے شیخ چلی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ بزرگدار بھرا نے کی بات نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ میں بھی مل دیں، لوٹک لوٹا۔

”تین اعظم سے کوئی کہیں بیان کا رہیں اعظم ہوں۔ اے دفع ہو جاؤ تم لوگ کھکھو۔“ اس نے دوسریں کی طرف گھونسہ اپرایا اور اڑکے کافی دور کھبک گئے۔ ”مٹو۔ پھر طو۔ پچھے۔“ شیخ چلی نسوانی انداز میں بُدک گیا۔ ”مٹو۔ نہیں۔“ بُلے ادبی نے کہا۔

”تین چھا ہوں ایسا ادب کرو دوسرے سال میں میرا آٹھواں سال ہے۔“ قم خوش قمت ہو کر تھیں سنائی۔ عاطفت نصیب ہو پڑا ہے، دوسرے پلے بنال کے اواس قابل کہاں کہ انہیں منہ لگایا جاتے۔ مجھے تو تھماری داڑھی پسید آگئی ہے اور جو چیز مجھے پسند آ جاتے اُسے ہر حال میں حاصل کر لیتا ہوں۔“

اس کی گرفت آتی مضبوط تھی کہ شیخ چلی بے بُس ہو گیا اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مارا کر رونا شروع کر دے۔ اس کے لئے پہلا تفاق تھا کہ اس کی آتی بے تدری ہو رہی تھی ورنہ لوٹک لوٹا ہائی اسکوں کا ہیڈ مارٹک اُسے چھوٹے شیخ صاحب کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ شیخ چلی کو اپنی بے بُس پر رُدنا آگیا۔ کافی کی ایسی تیسی اس نے سوچا۔ یہ تو کافر دُرعوں اور نمرودوں کی بستی ہے۔ شیخ چلی عقل سے کورا ہی سہی لیکن اپنی حفاظت کی حس تو کیھوں میں بھی ہوتی ہے۔ لہذا شیخ چلی بھی جسی طور پر مجبور ہو گیا کہ غصہ تھوک کر گڑک انا شروع کر دے۔

”خدما کے لئے بھائی صاحب“ اُس نے روہانی آدماز میں کہا۔ ”ایسا پسچھا پھوڑ دیجئے“

۔۔۔ ”بھائی صاحب نہیں چا۔“ لمبا آدمی دوسرے لٹکوں کی طرف دیکھ کر
بللا۔ میں ان سب حرام زادوں کا چھپا ہوں ۔۔۔
”اچھا، اچھا۔“ وہ چولا ہونٹ پیچنچ کر بڑپڑایا۔ یہ آدمی نے اسے
چھوڑ دیا اور پیچھے ٹھونکتا ہوا بولا۔“ میں تمیں اس سال کا بھتیجا اول ڈکٹر
کتے دے رہا ہوں۔“ پھر اُس نے بلند آواز میں کہا۔“ سنو! بھتیجا یہ
اس سال کا بھتیجا خاص الخاص ہے، اس لئے فرا احتیاط رکھنا۔“ لڑکے
ایک کر کے وہاں بیٹھے کھسک گئے۔

زین الحسن ادا قمی اس کالج کا رئیس اعظم تھا پروفیسروں کی طرف
دبتے تھے اور اس کی پوجہ ہڑا ہٹ ہر حال میں برقرار رہتی تھی۔ وجہ یہ تھی
کہ دوسرے سال میں یہ اس کا آٹھواں سال تھا۔ اس سلسلے میں عام طور پر
دو گوں کا خیال انہا کو ذہن بردستی فیل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ لندن ہن یا بغیر
نہیں تھا۔ اس کے ذہن رساکے پر پچھے تھے کالج میں، کالج کے باہر گلیوں
خاصی شہرت رکھتا تھا۔ کالج میں دھاک تھی۔ کیا مجاہل کو کوئی بڑکا سڑاٹھا۔
لئے اور وہ لوگ تو خود کو نہ جانے کتنا اہم سمجھنے لگے تھے، جن سے سہنس کر
وہ گفتگو کرتا تھا یا جتنی کے نام لے کر مخاطب کرتا تھا۔ وہ تھا ڈنے اسکار
لیکن یہ بات سب کو معلوم نہیں تھی کیونکہ وہ ہمیشہ ہوشیار ہی میں رہتا تھا۔
کالج کے میں میں کھانا کھاتا تھا۔ اس کا گھر شہر ہی میں تھا لیکن گھر والوں
سے اس کے تعلقات کشیدہ تھے، اتنے کشیدہ کہ وہ اپنی کفالت خود
ہی کرتا تھا۔ تقریباً اچھے سال سے اس نے گھر والوں سے ایک پانی
بھی نہیں لی تھی۔
سب جانتے تھے کہ وہ اپنے افراد کیسے پورے کرتا ہے۔

لیکن ہاٹل کے وارڈن میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا۔ اس نیچارے نے کبھی پرنسپل یا پر اکٹر سے اس کی شکایت نہیں کی تھی لیں وہ تیس احسن کے "کارڈ بار" کے دفاتر اپنے آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا تھا۔ وہ پرنسپل یا پر اکٹر سے کیسے کہا کہ ہاٹل میں تاش کے پتوں کا "کارڈ بار" ہوتا ہے۔ اس کی شکایت دراصل اس کی کمزوری ثابت ہوتی تھی وہ ایک ناہل وادیٰ تواریخ دیا جاتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ ہمیسری مراعات سے محروم ہو جاتا۔ امشلاً یعنی رہائش کی آسائش اور وارڈن شب کا لاول، اینا وہ اتنا اعجمن نہیں تھا کہ اتنی فراسی بات کے لئے اپنی راہ میں دسواریاں پیدا کرتا۔ اس نے تو ان کارروائی طلباء کو اشتراط کیا تھا اکثر بڑا یت دی تھی کہ وہ جو کچھ بھی کریں بہت احتیاط سے کریں۔ اس "کارڈ بار" کا دھنڈو راہ پیٹا جانا چاہیے "کارڈ باروں" کو جھلا ایں سے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ اتنے محتاط ہو گئے کہ انہوں نے پیسوں کے بجا سے داسالائی کی تسلیم پیٹنے کے "کارڈ بار" پیشووع کر دیا، بعد میں انہیں سے پیسوں کا حساب ہوا جاتا تھا۔

پیشووع میں ایک بھی ادھا لیتا ہے اسے بدل دو یا نہیں، ٹھہر و تھوڑی سی تبدلی ہی ہے نام جمل جاتے گا، پیشًا تم خود کو شیخ چلی پر دیز لکھا شروع کر دو۔ شیخ چلی پر دیز کے اضافے پر ابے حد خوش ہوا اور چاکر کے ہر بورڈ سے دو پیسے کی "چاقی" نکالی جاتی تھی اور شام کو راہ پر سے کچھ نہ کچھ چاکے پاس ضرور پہنچتا تھا اور اس طرح پریس احسن خود

کو اس کا بچ کاریں اعظم کرنے میں حق بیجا ب تھا۔

شیخ چلی کو اس کے متعلق یہ شاذی معلومات بعد میں حاصل ہوئی تھیں۔ وہ تو فی الحال اس پر خوش تھا کہ اُس میتے طبقے اُٹکے کی حیات میں آجائے کے بعد سے دوسروں نے اُبے چھڑنا ترک کر دیا تھا۔ مگر اسے کیا کرتا کاب لٹکیاں بھی اس پر آوازے سننے لگی تھیں۔ وہ ہمت شر میلا تھا۔ مگر ادھر سے مزدگن تاجہ صراطکیان ہتوں اور پھر بعد میں خود پر غصہ بھی آتا کہ وہ ادھر سے گزرنا ہی کیوں تھا لیکن دوسرے موقع پر اس نے پھر یعنی حرکت سرزد ہو جاتی۔ وہ شرما تا اور بجا تا ہوا لٹکیوں کے قریب سے گزر جاتا۔

ایک دن چھار ہیں الحسن نے اسے پکڑ دیا کی اُوحی نجع سمجھا ان شروع کی "اوچلے" یہ دار طھی صاف کر دیتے۔

"تھیں چا۔ یہ بہت مشکل ہے میرا بآپ میری گروں اڑا دیے گا" چھاکی پیاہ میں آئے ہو بخوبی اگر اپنے بالوں سے ڈرتے۔ میں تو چا ان پر سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے اسے سینہ سے یاد کھنا اور سارے تمہارا یہ نام بھی بڑا قیا نوسی ہے اسے بدل دو یا نہیں، ٹھہر و تھوڑی سی تبدلی ہی ہے نام جمل جاتے گا، پیشًا تم خود کو شیخ چلی پر دیز لکھا شروع کر دو۔ شیخ چلی پر دیز کے اضافے پر ابے حد خوش ہوا اور چاکر کی بہت تحریقی کی دھڑکانے کی دھڑکانے کی دھڑکانے کی دھڑکانے کی دھڑکانے۔ یہ بھی نہیں اسے ذرا ماڈ تا نا ترک بھی کر دیں، تتم لکھا کر تو

چلی پر در شیخ۔

”واہ چا۔ قسم سے مزاگیاں میں اپنا نام ضرور بدال دوں گا۔“
”باب کا نام کیا ہے؟“

”غفورزاد شیخ چلی۔“
”نہیں میں غفورزاد شیخ کر دو اور تجیر۔“ شیخ لکھا کر دیتے تجیر
شیخ پر شیخ چلی اچھی پڑا۔ اسے انگریزی طرز کے مختصر نام بہت پسند تھے
دیے وہ پہلے بھی خود کو ایسی چلی ہی لکھا کرتا تھا۔ مگر یا لوئی کے ساتھ
کیونکہ نام تو اسے وہ پسند نہ تھے جن میں سرہیم کے ساتھ کمی عروف کئے
باتے تھے۔

”اب اپنے باپ کو خط لکھنا تو پتے پر نام اسی طرح لکھنا۔“

”مگر ڈاکیہ چکر میں پڑ جاتے گا۔“

”اے جنے عقلن کے ناخن لے۔ یہ کون سی بڑی بات ہے تجیر؟“
شیخ کے نشاہ تھر میں اعظم لوہک لوتا کا اضافہ کر دینا۔
”آہا۔ میں جانتے گا کام۔“

”سچ کو تم اپنی دار ہی صاف کر آؤ۔“

”میں کیسے یقین دلاوں چاکہ میرا باپ بڑا ظالم آدمی ہے۔“
”اوہ میں بالکل قلو ہو۔ کیا تم نے دنیا کے بڑے ادبیوں کے متعلق
پچھر تھیں چھاہے، کیا تم نہیں جانتے کہ ظلم کے غلاف اٹھ کھڑے ہوئے
سے الائیت سر بلند ہوتی ہے۔“

”وہ... وہ... تو بھیک ہے تم۔ بھگر باپ!“
”یار واقعی تم نے سیخ چلی ہی معلوم ہوتے ہو۔ یہاں اتنی عقل نہیں رہتے
کہ ہر آدمی میں گھر رہی سے کرتا ہے۔ گھر سے سیکھو اور ملک و قوم کے کام
او۔ مجھے دیکھو میرے باپ نے مجھے عاق کر دیا ہے تب ہی میں آئی ری
کر سکتا ہوں مگر جھوٹ کا چھا اور کافی کامیں اغفل کھلاتا ہوں۔“ دل طے کے
مجھے بھگر کر سلام کرتے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ کونز پارنس
لگا رہتا ہے اچھی کھوڑا پسے باپ کو خطکار تم دار ہی مندو اسے جارہ ہے۔
نصرف دار ہی بلکہ موچھیں بھی پرواد نہ کر دو۔ چجا نہارے سر پر بوجو د
ہے۔“

”کیا لے گا۔ اگر میں دار ہی منداوں“ شیخ چلی لحا کر لول۔

”بہت شاندار بہت حیں۔“

”نہیں۔ نہیں۔“
”اے ہاں۔ کہنا زماں کا تو زبردستی منداوں کا۔ ویسے اگر خود ہی
ایسا کرو۔ لجلسہ کرداوں گا۔ کیا مجھے ہو۔ جھوٹوں کے لئے ٹراول رکھا
ہوں اور تم تو اس سال کے خاص الحاضر بھتیجے نہیں ہو۔“ شیخ چلی
کو دار ہی مندوں ویں پری اور میں الحسن نے پڑی فرا خذل کا بترت
دیا، جو کچھ بھی کہا تھا کہ دکھایا۔ بڑی شاندار پیاری ہرگز بس میں تین الحسن
کے بہترے خاص الحاضر بھتیجوں نے نصف شرکت کی تھی بلکہ ایک
ایک رو بیس مٹھائی کھانے کے لئے شیخ چلی کو بھی دستے گئے تھے۔

اور اس عقیقے پر بعض پروپریئریوں نے بھی ریس الحسن کو مبارکہ کیا دی تھی۔ لیکن شاہزاد شیخ علی کے کسی غریبے جو اسی شہر میں رہتا تھا اسیں "منڈن" کی اطلاع اُس کے باپ کو بھی دے دی تھی امدا چرچھے کی دل میں ایک گرام خلط بات کی طرف ہے فلاجس میں لکھا گیا تھا۔ اب اُو کے پڑھے بلکہ لگدے کے بچے بھی مجھے اطلاع ملنا ہے کہ تو نے دار حضور میڈوا دی تھے۔ اگر یہ سچ ہے تو کان کھول کر میں لے کر اب میرا تجوہ سے کوئی متعلق ہیں رہا، جو لڑکا باپ کی روشن سے تباہ ہاتے اسے نگہداں کریں۔ ذرا آنکھیں چھیل کر ذیچھ علی بڑا دراز ان ولایت تک ہو اے لاط صاحب اور ملک معظم سے ہاتھ ملایا مگر داطھی نہ منڈداں اور لا ایسا ناخلف نکلا۔ اب میں کس سے کہوں گا کہ جان بیٹا خلافت پر دے دو۔ تیرا غرض بند۔ آنا جانا بند۔ میں تیری شکل بھی نہیں دیکھوں گا۔

شیخ علی نے خط ٹھہرا اور سر پیٹ لیا۔ باخنوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور پیروں نے زمین بکھل کری۔ انکھوں نے انہیہرا آگیا۔ بہر خال لیے ہی درخنوں محاڑہ دے اس سر سک و قت پل پڑئے۔ وہ جانتا تھا کہ اب اس کا کوئی نذر بھی نہ رکھنا جاتے گا۔ علاج صرف یہی ہے کہ دوبارہ داطھی بڑھا کر اس کے سامنے حاتماً رونما گڑتا انسٹینٹیشن اور آئندہ خاندانی وقار کا خیال رکھنے کا وعدہ کرتا۔ لیکن اس کے لے و قت اور کار تھا۔ جس پاکے کی داطھی وہ کھو چکا تھا دنیا رہ اس کے مصوبوں میں کم از کم یعنی ماہ صدر گفت جائیں گے۔ پھر یہ تین ماہ گزرنے کے بعد "فرچنڈ"

پرنی چلی کی دھمکی بھی مل چکی تھی۔

یخچ ملی دم بخود رہ گیا۔ اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا تھا۔ پندرہ دن گزر گئے نیس ہمیں جمع ہو سکی اور ایک دن میں سے بھی زوں مل گیا۔ اب کھانا اور ناشستہ بھی بقدرت خوارے پیسے ابھی اس کے بامش ٹرے ہوتے تھے جن سے اُس نے دو دن لکائے۔ لیکن اپنی اس نتیجت پیتا کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔

وہ تو نہ جانے کس طرح اس کی بھنک ریس الحسن کے کان میں پڑ گئی اور جب اس نے خوب ایچھی طرح اس کو چھوڑا تو اس کے گاؤں پر موٹے موٹے قطرے ڈھکنے لگے اور اس نے بدقت تمام کہا "دار حضوری"۔

"دار حضوری! اکیا مطلب"۔

"م مطلب۔ مطلب۔" شیخ علی صرف ہر کلا کراہ گیا۔ شدت گری سے آواز اس کے ملن میں بھنس رہی تھی۔ آخر جب اُس نے کچون سو بھا تو باپ کا خط ان کان کر رہیں الحسن کے سامنے رکھ دیا۔ ریس الحسن کچھ دیر تک خط دیکھتا رہا پھر پڑا سامنہ پناکر بولا۔

"تواب تم مغلسوی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤ گے؟" چلی پویز نے اشات میں سر پلا دیا۔ ویسے اب اس نے اپنے آسونگٹ کر لئے تھے اور اس نے بیٹا غثہ کری رازی پر دل ہی دل میں نادم تھا "بکواس ہے؟" ریس میر پر پا تھوکا کر بولا۔ "تم اب شہزادوں کی طرح زندگی پس کر دے گے۔ چچا کا کوئی ایسا بھتija جس پر باپ کا عتاب نازل ہوا ہو تو عربت

کی زندگی نہیں لسکتا۔ شیخ چلی پھر نہ بولا۔ ویسے یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ رتیں پھر بولا۔ ”تم آج سے پرنیں چلی پر دینز ہو۔ پرانیں چلی پر دیر۔“

”میرا زبان نے اڑا کیتے“ چلی پر دینز بھرا ہی ہوتی آداز میں بولا۔ ”ایتے چلے! جھے اٹھا کر کھڑکی کے باہر چینک دون گا۔ کیا سمجھا ہے تو نے چھاکو“ رتیں نے عجیب سے اپنا پرس نکالتے ہوئے کہا اور بھر سوکا ایک نوٹ پھینچ کر اسے میز پر کھتا ہوا بولا۔ ”جادو قیسِ جمع کرادا اور میں ابھی میس والوں کی خبر لوں گا۔ سالے نہیں جانتے کیا تم اس سال کے حتیجے خاص الخاص ہو۔“

”م۔ سگر۔ چھا۔ میں ادا کیاں سے کروں گا۔“

”ابے پھر وہی بھکاریں چلے اکیا اب مجھے اعلان کرنا پڑے گا کہ میں نے چلے کو متینی کر لیا ہے؟“

”نہیں چھا! آپ کے خلوص کا بہت بہت شکریہ! میں اس کامبار نہیں اٹھا سکوں گا۔“

”تب پھر تم کسی کو مند کھائے کے قابل بھی نہ رہ جاؤ گے وچھا کا غصہ بہت خراب ہے۔ میں کہتا ہوں اٹھاؤ اسے جا کر فیسِ جمع کرو۔ پڑھ لکھ کر ڈپی کشہ ضرور بنو گے، اس دشت ادا کر دینا۔ اے یہ میں احسان تھوڑا ہی کر رہا ہوں، یہ توفیق کا پیسر ہے۔“

”کیسا فند؟“

”اجمن پر درش بچکان نالائق والدین کا فند“ رتیں نے سر بلکر کہا۔ ”میں اس اجمن کا صدر ہوں، نالائق والدین کے ممتازے ہوئے بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے یہ اجمن قائم کی گئی ہے۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو، اب میں اخنو اور دفع ہو جاؤ۔ فیض جمع کے بغیر اپنی شکل نہ دکھانا! جاؤ۔“

تھے، ہمیشہ شیر و ادنیٰ اور پا جائے ہی میں رہتا تھا لہذا سوٹ اس کے لئے
دبال جان بن گئے، وہ جب بھی سوٹ ہپن کر باہر نکلا اُسے ایسا لگا جیسے
کوئی پتھر پہنچنے آگئے تھا۔ میان کسی بخیال میں ہوئے پکون کی میانی نیچے
بجھوں رہی ہے۔ اسے بڑی الجھن ہوتی تھی مگر تاکیا نہ کرتا، چچا کا حکم
ذہن کیسے طال سکتا تھا جبکہ چچا ہمی پر ابتداء اس کے مستقبل کا دار و مدار تھا۔
چچا کا حکم تھا کہ وہ روانہ باقاعدگی سے شیوکیا کرے اور کامیکشن کا
(استعمال بھی صرورتی قرار دے دیا تھا۔) وہ ہی دن میں میان چلی پڑی
کامیکشن کا چاند سالکل آیا وہ بصورت نہیں تھا پس لاپرواہی کی بینا
پر اس کی شخصیت صفر ہو گرہ گئی تھی۔

آج تین ان جن میں ایک دعوت میں اینے ساتھ لے جانے کا
کارادہ کرنا تھا۔ چلی اُسیں کے آزاد نے سے واقف ہوتے ہیں صرف بیوی
کر رہ گیا تھا۔ احتیاج کے لئے ہوتے بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اسے علم
تھا کہ چچا میں ان جن کی دعوتوں کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ہمیں ناٹک
سلک میں غیاشی، مگر اس رات کا پروگرام شیخ چلی کے لئے اس سے
بھی زیادہ دل ہلا دینے والا ثابت ہوا۔

اُن دنوں شہر میں حقیقت نامی ایک طائف کا بڑا شہر تھا۔ راتے
میں چملنے بتایا کہ دعوت حقیقت کے بالا گانے ہی پر ہو گی، لہس چلی کو
اُس وقت ہی محسوس ہوا جیسے کچھ دیر بعد اُسے اپنے سوٹ سے پیسیتہ
پھوڑنا پڑے گا۔ ”بچج، چچا، نم۔ مجھے نہ نے باؤ۔“ اس نے بھکالا کر کہا۔

شیخ چلی بے حد تحریر تھا۔ سیرت کی بات بھی تھی۔ پہلے پول اس کی مرٹی
عقل میں بھی چھار تینیں کی توازنات کسی قسم کا فراڈ ہی بن کر سماں تھیں۔
اس نے سوچا تھا کہ وہ اُسے الوبنا کر اس سے رقامت اینٹھا کرے گا۔
لیکن اب وہ اپنے اُن بڑے خیالات کی بنا پر جگہی ریس کی طرف
سے اس کے دل میں پیدا ہوتے تھے، بیحذث مندہ تھا اس پر تینیں کی
عنایات اب پہلے سے زیادہ تھیں۔ وہ اسی شام کو اُسے بلو سات کی
ایک بڑی دوکان پر لے گیا اور اس کے لئے تین بہترین سوٹ خریدیے۔
”چچا! میں اس فضول غریب کے لئے تیار نہیں۔“ شیخ نے ڈرتے ڈرتے
کہا۔

”بکواس مت کر دیجتے!“ جواب ملا۔ ”میں کہہ چکا ہوں کہ تم آج سے
پہنس چلی پر دیز ہو۔“ شیخ چلی کچھ نہ بولا، اس کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا
کہ تینیں کیا کر رہا ہے، کیوں کر رہا ہے اور خود اسے کیا کرنا چاہتے۔
اُن نے اس سے پہلے مندرجی طرز کے لباس کبھی استعمال نہیں کئے

کیوں؟

”میں کبھی کسی طلاق کے کوٹھے پر نہیں گیا۔“
”اسی لئے تو یہ جبارا ہوں بخود اور دنیا کی خونزندہ اپنی کھال میں
مخدود رہنے سے آدمی انسان نہیں بن سکتا، کیا مجھے تمہارے بالدستہ
تمہرے خلافت پر جانِ ذلیل اپنا ہے تھے، لیکن میں تمہیں سازی دنیا کا
پادشاہ بناسکتا ہوں۔“
”من بہنیں چھا بھڑا کے لئے۔“ چلی بُرتت بولانا اس کے عملت میں
کمانٹے سے ٹرنے لگتے تھے۔
”خاموش رہو چلتے! میں تمہیں شاہکار بناؤں گا اور تمہیں نہایتے
سکا۔ تم پہلے صاحزادے نہیں ہو۔ اب تک درجنوں شاہکار پیدا کر چکا
ہوں۔ اگر بکواس کرو گے تو میں اسی عجکِ نیڑک پر کپڑے ازدواں گا۔
کیا سمجھتے ہو چکا کو شہر کے ہر حصے میں دوچار غنڈے نے بھی رکھتا ہوں۔
ویکھ لینا بہت جلد پورے شہر اور پھر پورے لکٹ کا چھا ہو جاؤں گا۔
بن چپ چاپ چلتے رہو میزے ساتھ طوالغین چیر چھاڑ کر نہیں کھا
جاتیں بلکہ پان کھلاتی ہیں گما نانی ہیں۔ اس کی سمجھیں نہ آسکاہ
اب کون سائیں پیش کرے ریس کا الجھ کانی وزن دار ہوتا تھا۔ بہت
کم لوگ اپنی کی بات ٹالنے کی ہمت رکھتے تھے۔ شیخ چلی کان دباتے
اس کے ساتھ چلتارا اور بھر جب وہ طوالغنوں کے ملے میں داخل ہرتے
تو چلی کو ایسا حسوس ہونے لگا جیسے ساری کائنات رقص کرنے لگی ہو۔

”معنی اُس یجادے کو پچکر پچکا کرے گے۔“
”تیس ایک جگہ روک گیا سامنے ہی زینے تھے۔ یہ ایک گندی سی گلی
عُتی اور بدل کے تارے چلی کا وہ غم چھا جا رہا تھا۔
”ہاں برغور دار! اٹھا داہنا قدم۔“ اسے میں تجھے بڑا ادی بنانے بنا
رہا ہوں۔ ”تیس نے اسے زینیں کی طرف دھکا دیا۔ چلی تپھل نہ سکا۔
کیونکہ اس کا حسیر تو پہلے ہی یہ بُری طرح کا نیٹ رہا تھا۔ اگر ریس
بھک کر کر سے پکڑ رہا تھا تو وہ نیشن کے پیچے والی نالی میں جا پڑا ہوتا۔
بُری بُری تمام میں اور پہنچا اور بھر بھاں تو اس میں آتی رکھتے بھی زرہ
گتی کو غیر شوری ہی طور پر کچھ لا کھلا میں تنزد ہوتیں۔ دہان کی آدمی
پہلے سے موجود تھے اور ایک بڑا طحیٰ عورت نے ایک کر میں اُخْن
کا استقبال کیا تھا۔ شیخ چلی سب کچھ دیکھ رہا تھا، مگر سوچنے بھنے کی
صلایحت رخصت ہو چکی تھی۔
کچھ دیر بعد ایک جانب کا یہ دہا اور ایک خوبصورت میں عورت
ان کے درمیان آکر بیٹھ گئی وہ خصوصیت سے تیس المحن کی طرف دیکھ
کر مسکر آتی تھی اور بھر اس کی نظر میں چلی کے پہنچے پر ہر کی مختیں اور
چلی کا یہ غام تھا کہ وہ سر سے پیر تک دار در دکس ”بِن کرہ گیا تھا“ لینے
کی بوندیں پہنچیوں کی طرح اس کی لپشت پر رینگ رہی تھیں۔
”آپ کی تعریف تیس میاں“ آئے والی خوبصورت عورت نے
تیس سے پوچھا تھا۔

"پرنس جیلی پر دیز آف لوٹک لوٹا"
"کوئی ریاست ہے؟"

"ہاں پورب میں ایک ایچی خاصی ریاست ہے۔" اس کے بعد وہ
دوسرد کی طرف نماطل ہو گئی تھی۔ وہ کافی رات گئے تک وہاں رہے۔
یخچیلی کو کچھ نہیں معلوم کر آئی ویر میں وہاں کیا کیا ہوا تھا۔ لیں اُسے تصرف
ایک بات بادھ کر تھی۔ وہ یہ کہ جب وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو
تو اس حوزت نے مسکرا کر اس سے کہا تھا۔ "چھ بھی آتے رسیے گا کنور جی"
لیکن چیلی کو یہ یاد نہیں کر اس نے نفی میں سر برداشتھا ایسا ایجاد میں
ریاض تو محلی ہی نہیں سکی تھی۔ میں مقصداں کی سمجھیں نہیں آسکا اس
رات وہ صبح تک کرڈیں بدلتا رہا، لیکن اس کا جواب اُسے نہ مل سکا۔
کہ ریتیں اُسے وہاں کیوں لے گیا تھا۔

دو گناہ گزر گئے اور چیلی عوامی ریبان ہیں کافی "چالو" ہو گیا۔ نہ اس
درمیان میں وہ صرف اپنے اعزاز کی زبانی باب کی دھمکیاں ستارہ تھا۔
دونوں میں خط و کتابت نہیں تھی۔ چیلی نے اب یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ
ریس اخسن اس پر اتنا نہ ریبان کیوں ہے۔ مختلف قسم کی تقریبات میں اس
کا دلت گزرتا۔ طوال الغوں کے ہیاں آمد و رفت نے سے چیلی کو صرف اتنا فائدہ
ہوا تھا کہ اب وہ سور توان نے بے بھجک ہو کر گفتگو کر سکتا تھا۔
لیکن یہ سوال اب بھی اس کے ذہن میں کچھ کے لکھا رہتا تھا کہ ریس
نے آخر اس سے طوال الغوں کے ہیاں کیوں لے جانا شروع کیا تھا؟ اور
پھر اب اُس کا ردیش کیوں بدل گیا تھا؟ اُس نے اس سلسلے میں لاپرواہی
کیوں اختیار کرنی تھی۔ اس سے پہلے ریس کے ساتھ جانالیہ حد ضروری
ہوتا تھا مسکراپ وہ بھی اس کا تذکرہ تھی نہیں پھر بتا اور زہی نہیں معلوم
ہوتا تھا کہ وہ تھا ہی وہاں جاتا ہوا گا۔ لیکن خود ایسے تو چاٹ پڑھیں یعنی

تھی۔ ایک آدھ بار وہ تنہا بھی چلا کیا تھا اور جب ریس سے اس کا تذکرہ آیا تو وہ بچک گیا۔

”اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اپنی زندگی ہی طوالوں میں گزار دو۔“
”تم نے خواہ نخواہ میری زندگی بنیاد کر دی۔“
”وہ یہ سب بیٹا چلتے۔“

”مجھے حقیقت سے۔“ پلی نے جملہ پورا کئے بغیر دانتوں میں انگلی ڈالی۔
اور نظر میں تیچی بھکالیں۔
”ہاں تمہیں حقیقت سے عشق ہو گیا۔“ ریس نہ رہیے لئے میں بولا۔ اور
تم شاید ہزار دین آدمی ہو گے جسے حقیقت سے عشق ہوا ہو گا۔ پھر کیا الودہ
ہے۔“
”میں اس کے بغیر۔۔۔“

”ہاں تم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایک ہزار آدمی پہک و قت
میں سوچتے ہیں لیکن ان میں سے صرف دوچار کوہی مقیم ہوتا ہے لیکن زندہ
رہتے ہیں اور ان میں سے ہر آدمی تقریباً ایک ہزار عورتوں کے متعلق یہ
سوچنے کے بعد تراہے کہ وہ ان کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا۔“
”پھر میں کیا کروں؟“ پلی بے بیس سے بولا۔

”آج شام کو میرے ساتھ چلنا۔ اس کا جواب دہیں دون گا جہاں لے
چلوں گا۔“ پلی ناموش ہو گیا۔ ”تمہیں شطرنج کھلانا آتا ہے۔“ تھوڑی دیر
بعد ریس الحسن نے پوچھا۔

”ہاں تھاں کیوں نہیں۔ میکھرست دنوں سے کھلی نہیں کیوں؟“
”کچھ نہیں! اچ میں تمہیں فریزہ بگ کلب نے جاؤں گا۔“
”اہ۔ وہاں تو نہیں کہبھی نہیں گیا، پلی نے کہا۔“ ویسے سنا ہے کہ وہ بہت
اوپری اور منٹی بگ ہے۔“

”میں اس کا باقاعدہ بھر ہوں۔“
”اچ نہیں۔“ پلی نے حرمت سے کہا۔
”اوپریں بھی وہاں کامبر نہیں ہو گا۔“
”انتے پسے تو میرا باب بھی نہیں دنے سکتا جو دیاں کے اخراجات
کے لئے کافی ہوں۔“
”چھالو دے سکتا ہے۔“ ریس نے مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دیا۔
”پچانڈا کے لئے بتا دو کہ انتے ہر بان کیوں ہو۔“

”الا۔“ ایسے ایسے میری تفسرے کے اس پچر میں نہ پڑ۔“ پلی صرف ہٹنڈی مانیں
لے کر رہ گیا۔ یہ اس کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ تھا لیکن ابھی بک تو
اسے اس کا کوئی حل نصیب نہ ہو سکا تھا۔ چنانے اب تک اس پہنچا
روپے غرچہ کر دیتے تھے اور اُسے سچھ سچھ شہزادوں ہی کی طرح رکھتا تھا
میکھرست مقصود؟ شیخ پلی گھٹوں سوچتا لیکن مقصود اس کی سمجھ میں نہ آتا جو وہ چھا
کر نیک آدمی بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اس کی خدا رسمی کے متعلق پھر سوچتا کیونکہ
وہ جواری تھا۔ شرائی تھا اور شر کی شور طوالیں اس سے اپھی طرح وافت
محققیں ہر محکے میں اس بکے دوچار غرض سے دوست صدر فر تھے، پھر دیں

کیسے سمجھ لیتا کہ وہ از راہ خدا ترسی اس کی مدد کر رہا ہے، خود شیخ چلی کے ذہن میں بچپن ہی سے یہ بات ملیجھی ہوئی تھی کہ صرف عبادت گزار اور مشقی ہی لوگ خدا ترس ہوتے ہیں اس نے تین الحسن خدا ترسی کے معیار پر پورا اتر ہی نہیں سکتا تھا۔

شام کو وہ چلی کے کمرے میں آ رہا تھا کیونکہ اس نے لباس نہ دیں کیا تھا۔ سنو چلے۔ اس نے کہا تمہارے ساتھ چلے جاؤ، مجھے پرنسپ دلوں شستیں دن کی چجائی وصول کرنی ہے۔ یہ لوگ بہعاواد پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں۔

”کیوں پرنسپ دالے تو بہت زیادہ دبتے تھے تم سے؟“ چلی نے کہا۔

”ہاں۔ آں۔۔۔ دیاں۔۔۔ وہ صاحبزادے جو ہمیں تاخاکر جپاں سنگھی وہ چاکی خود ہراہٹ نہیں کرنے کے خواب درکھر رہے ہیں حالانکہ چباہ سال سے ہمیاں حکومت کر رہا ہے نہ جانے کتنے طحاکر جپاں آتے اور چلے گئے۔ ارٹے خیر ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ زبیر کے ساتھ چلے جانا۔“

”ارے تو جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“

”بجھت نہیں چلے!“ چاکی آذار غصیل تھی۔ چلی خاموش ہو گیا۔ زبیر چھپا کے خاص مصا جوں میں سے تھا اور یہ بھی کسی دولتمد گھر لئے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ پانچ بجے دو لاکھ فریز ونگ جانے کے لئے نکلے۔ ”بڑی شاندار جھکر ہے“ زبیر نے کہا۔ ”کیا تم پہلی بار جا رہے ہو؟“

”ہاں اس سے پہنچے میں نہیں گیا۔“

”پھر دیر بعد زبرتے کہا۔“ میں دیاں ایک آدمی کے ساتھ بظرنج کھیلوں کا۔ تم بظرنج کھیلنا تو جانتے ہی ہو گے؟“

”اگر کھیتارا ہوں۔“

”اسے بن اتنا کافی ہے کہ میرتے پہچانتے ہو اور چالیں جانتے ہو۔“

”اچھی طرح کھیل بھی سکتا ہوں۔“

”بن چکا ہے۔ تمہیں اور اصل دوسرتے آدمی کے کھیل کی تعریف کرنی ہوگی زمین و آسمان کے تلاباتے ناماکر رکھ دینا۔“

”کیوں؟“

”بلکہ یاد ہی، میں فہیں جانتا۔ چجانے یہی کہتا ہے۔“

”یار زبیر! یہ چمامیری سمجھو۔ میں نہیں آتا۔“

”جس دن چمامیری سمجھوں ہیں آئے گا۔ اُس دن تم دنیا کے بہت بڑے آدمی ہو گئے۔“

”میں اسے ایسا آدمی آج سک نہیں دیکھا۔ پہنچے بھر طوال قوں کے ہاں، لے جاتا رہا ہے اور اب کہتا ہے اگر میں نے طواقوں کے عکے کا رتھ بھی کیا تو میری ٹانگیں توڑ دے گا۔“

”یقیناً توڑ دے گا۔“ زبیر نے سر بلکر کہا۔ ”جو کچھ کہتا ہے کہ گزرتا ہے۔“

”مگر چیال کا کیا قصہ ہے سنا ہے اُس نے پرنسپن والوں کو چھائی
ادا کرنے سے روک دیا ہے؟“

”ہاں اب تک چھوڑ توں سے خوف نہیں علم ہوتا۔“
”چھوڑ جی پوچھتے ہو کہ چاہتھیں طوائفوں کے یہاں کیوں لے جائے گا
ہے؟“
”کیا؟“ جملے نے حیرت سے کہا۔ ”نهیں۔“ چند لمحے خاموش رہا پھر بے شارة
ہنس پتا۔
”کمال ہے؟“ اُس نے کہا۔ ”یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے مگر میری
بھھیں نہ آسکی۔“
”بس عصمندی ہیں تھا کہ تم عورتوں سے بھی یہ جھگٹ ہو جاؤ۔“
”آئا۔“ مگر میری بقصہ چھوڑ دی عصمند! اگر میں عورتوں کو نہیں سے
بے جھگٹ ہو گیا تو اس سے چاک کیا فائدہ ہے؟“
”یہ مت سوپر ضرورت ہی کیا ہے جس طرح چند دوسری باتیں
تمہاری سمجھیں آئیں اس طرح مقصود بھی ایک دن سمجھ سکو گے۔“
”وہ فریزوںگ پسخ گئے۔ عمارت ہی دیکھ کر علی پر دیز ذنگتہ گیا اس
سے پہلے اس نے اس کلب کا صرف نام ہی سنا تھا۔ عمارت دیکھنے کا ابھی
اتفاق نہیں ہوا تھا۔ یہاں کے ممبر مدد و تھے اور عیر ممبروں کا داخلہ بھی
صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب وہ کسی نمر کے ساتھ جائیں سنے
میں پر اپنے مبروول کی سفارش پر بنائے جاتے تھے۔“

”مگر چیال کا کیا قصہ ہے سنا ہے اُس نے پرنسپن والوں کو چھائی
ادا کرنے سے روک دیا ہے؟“
”ہاں قصر تک پہلی ہی ہے، لیکن تم کچھ دنوں کے بعد چیال کو چھا کے
قدموں میں دیکھو گے۔ میں نے ایک نہیں درجنوں ایسے سور ماڈ بیکھے ہیں
جنمیں چاہے طبعاً نے کا جنط ہو گیا تھا لیکن یہ سمجھ لو کر ان کی ذلت ہی
کہا نیاں کا بچ یہی ضربِ الشل بن کر رہ گتی ہیں۔“ ٹھیں پھر خاموش ہو
گیا۔ پتہ نہیں کیوں اُس نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی اور اس کا دل تو
پہانتا تھا کہ زیر سر سے اپنے متلئ پوچھے کہ چھا اس پر اتنا سرخان کیوں
ہے ”چھا جو کہتا ہے کہ گز تھا ہے؟“ زیر تھوڑی دیر بعد پھر دولا۔ اس لئے
جو کچھ تھے کرتے رہو، اس کے دوست ہمیشہ مزے میں رہتے ہیں۔
”مگر مجھاتی! ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے؟“
”مقصد ہے اپنے دوستوں کو فائدہ پہنچانا۔“
”مگر اس سے چھا کر کیا فائدہ پہنچتا ہے؟“
”میں نے اس کے متلئ سوچنا ہیں چھوڑ دیا ہے۔“ شروع شروع میں، میں
بھی یہی سمجھتا تھا کہ چھا میری جیبیں خالی کر لے گا مگر ایسا نہیں ہوا اور
جب میں یہاں آیا تھا تو میں سے زیادہ گذھا تھا، مگر آج میں بھروسہ
کرتا ہوں کساری دنیا کو اپنی الگیوں پر سچا سکتا ہوں۔“
”یہ بات تو میں نہیں بھی بھروسہ کی ہے۔ میں زیادہ آدمیوں کے فرمیاں
زبان کھولنے سے بھی ڈرتا تھا، مگر اب؟“

داخليے کے لئے زبیر کو چھاہاں پر کھڑے ہوتے ایک بادر دی آدمی کو اپنا
مرہری کارڈ دکھانا پڑا۔ ایک رجسٹر پر اپنا اور خلیٰ پر دیز کا نام لکھ کر دستخط
کرنے پڑے۔ کپاونڈ میں ایک شاندار یا میں باخ تھا۔ اندر پینچ کر تو
شیخ چلی کو پتھر سے آنے لگے اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پستان میں
پینچ گیا ہو۔ شاید آج یہاں کوئی خاص قسم کی تقریب بھی عقليٰ کیونکہ ہال کی
چھت سے بیمار غبارے اور کافندے کے چھوٹے ہوتے ظراز ہے تھے
اور ان کے اوپر رشی پیلوں کا جال سا بنا گیا تھا۔ ہال کی ساری نیزیں
قریب قریب بھر گئی تھیں۔

زبیر ایک نیزیں کی طرف بڑھا جس پر صرف ایک بڑھا آدمی نظر آ رہا
تھا اس کی عمر ترکے ترب ضرور رہی ہوگی، لیکن محنت اچھی تھی۔ قبی
مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ زبیر کو دیکھ کر بڑھنے مضطر باز اندماز
میں راتھ ہلاکا۔ آؤ۔ آؤ۔ بہت دیر کردی تھی تھے، میں کب تھے انتظار کر
رہا ہوں۔ آج دیر ہو گئی سرفیاض۔ بھے افسوس ہے۔ دیسے سیری سمجھ میں نہیں
آتا کہ یہ بازی کب ختم ہوگی۔

”ارے چلنے دو میاں۔ جب دودیو آپ میں طکرائے ہیں تو یہاں
شکل ہی سے ہو سکتا ہے۔“
”میں آپ سے اچھا کھیلتا ہوں سرفیاض۔“ زبیرے کہا۔
”تو ختم کر دنایا ہی۔ کیوں صاحب۔“

لورٹھ نے چلی کی طرف دیکھ کر کہا۔ شیخ چلی نے اشات میں سرپلادیا۔
اسے یہ دیکھ کر سیرت ہوتی تھی کہ زیر اتنے بڑھے ادمی سے اسی طرح
بے تکلف ہے جیسے وہ اس کا کوئی بھولی ہو۔
پساط پھر گئی۔ دونوں نے اپنی جیسوں سے بازی کے لفڑیں نکالے
اور اس کے متعلق اسرے لگانے لگے۔ شاید یہ بازی یہست دونوں سے
چل رہی تھی اور ابھی تکتے ہو رہیت کا نصف میں ہوا تھا۔
چلی نے کچھ دیر بعد اسٹارٹ لیا، شروع میں مخوتڑی سی دشواری
ضرور پیش آئی تھی لیکن پھر زیان قبیلی کی طرح چلنے لگی۔ ارے واہ جناب۔
کیا چال ہی، الیا کھلیں کم دیکھنے میں آیا۔ سب زبر صاحب، خواہ وس
سال گستاخ میں مگر مرات آپ ہی کی ہوکی کیا چالیں تھیں سبجان انہوں۔
خوڑی دیر تک پھلی تعریفوں کے ڈونگرے پرستانا رہا پھر سرفیاض
نے چونکہ کروں کی طرف دیکھا۔
۱۔ ”اپ کی تعریف“ انہوں نے زبر سے لوچھا۔ ارے اب انہیں
تمہیں چاہتے ہیں تو سچھا تھا کہ آپ دونوں ہٹنے ہی سے واقع ہوں گے۔
”تمہیں شاید میں نے انہیں پہلی بار دیکھا ہے۔“ سرفیاض نے کہا
”اے یہ میں پرانی چلی پر دیافت تو نکت اٹا۔“
”وافہ۔“ لیکن بیک بورٹھے کی آنکھیں چکنے لگیں۔ آب ہی میں
بڑھی خوشی ہوئی آپ سے ٹیکنے لگے میں تو آپ سے ملے ہامہنئی چاہنے۔
سرفیاض اور جلی نے گرم جوشی سے مصائب کیا۔ میں پہنچے ہی آپ کی
تعریفیں پشتار رہوں۔ ”سرفیاض نے کہا اور جلی بھونج کارہ گیا۔ ان نے
لوانج سے پہنچے سرفیاض کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ لیکن غوداں کی تعریف

ان تک کیسے پہنچ گئی۔
 ”بھی ہاں“ زیر سر ملاک بولا۔ یہ دہی پرنس ملی پرویز میں ہمزوں نے
 آج تک شیر کاشکار مچان پر بیٹھ کر ہیں یا۔ آج تک اپ کا قدر داں میں
 ہمزوں نے میں تھر دل اسے آپ کا قدر داں ہوں پرنس سرفیاض نے
 ہمزوں کی سے کہا اور حلیتے بکھلا کر سر جھکایا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا
 تھا کہ یہ کس قسم کی گفتگو شروع ہو گئی۔ کیا شیر کماں کی مچان اور یہ
 شکار کار کا یاقصہ ہے۔ سرفیاض نے کہا۔
 ”ات فوہ پرنس“ دعفنا زیر بولا۔ واقعی عجیب آدمی ہو۔ اسے
 سر اڑھاؤ۔ کیا لڑکوں کی طرح شرماں کے سر زیاد کیا بتاؤ۔ یہ طنزِ زورت
 کر فوری ہے پرنس میں اپنی تعریف سن کر بالکل پرہ نشین رکا ہوں کی
 طرح شرما جاتے ہیں۔
 ”خوبی ہے۔“ سرفیاض نے میز پر پاٹھ کر کر بھش لجھے میں کہا۔
 ”حیبِ الظرفین لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔
 واللہ پرنس آت لئے مل کر بیجد خوشی ہوئی۔ بھی زیر شناخت کھیل
 بند۔ بازی کا لفڑی بنا لمحے مل کھیلیں گے، اب تو اس وقت میں پرنس سے
 گفتگو کروں گا۔

پرنس بیچارے کی جان سکل کر رہا گئی۔ دیتہ نہیں کس قسم کی گفتگو ہو۔
 اگر شیر کے شکار ہی سے متعلق ہو تو وہ کیا کرے گا۔ شیر تو بڑی پیش تھی
 اس نے آج سہ کھڑکو شیر کاشکار بھی نہیں کیا تھا۔ بندوق کے نام ہی
 سے ہوں آنا تھا ایسے اس نے شیر کے شکار کے بھیرے قصے ضرور سن
 رکھے تھے زیر کیا یہ مزوری تھا کہ وہ زیر ہی کی طرح روانی سے بھوٹ

بول سکتا۔
 ”زیر بازی کا لقشہ مرتب کرنے لگا اور سرفیاض چلی کی طرف متوجہ ہو
 کے لیکن چلی جلدی سے بولا۔
 ”آب کھلے جاتے اوال اللہ بامرا آرہا تھا اس بازی میں دیے
 ہمارے والد حضور بھی بہست اچھی طرح شطرنج کھیلتے ہیں لیکن یہ اپ
 کی چالیں! تعریف نہیں ہو سکتی۔
 ”ارے بھتی ایک کماں“ سرفیاض خوش ہو کر بولے۔ اب تو
 بڑھاپنے نے دماغ ہی چھپٹ کر کے رکھ دیا ہے، ورنہ بازی اتنی طویل
 نہ ہو پاتی۔
 ”ایک حصہ عرضی کے اسی وقت کی چالیں یاد رہیں گی۔
 ”شیر کاشکار میں نے بہت کھیلائے۔ لیکن آپ کی طرح نہیں ہمیشہ
 مچان پر سے بیش چلی سمجھ گیا کہ زیر سے اس کے متعلق ہر زیاد میں سے
 بیالغ اڑائیں کر سکتا ہے، اس نے لئے شیر کاشکار بیان کی جگہ تھیں
 سے ہی ہو سکتا ہے، اس نے ایک طویل سانس لی اور جی کر اکر کے لواہ
 ”یہ تو اپنا اپنا شوق ہے جناب انسان چونکہ کم خطا کرتا ہے، اس لئے
 خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے۔“

”یقیناً یعنی خدا اعتمادی ہی تو سب سے بڑی تیز ہے۔“
 ”دیسے مچان پر سمجھنے کی قسم بھی نہیں کھاتی۔ اکثر مچان پر سمجھا ہوں
 میگر تم کے لئے جو بھی مچان سے گولی چلاتی ہو۔“
 ”پھر مجھے ہے نا بدہی کیا؟“ سرفیاض نے محشر ارجمند میں سوال کیا۔

شیخ چلی اور شرما گیا۔ اس کا سلسلہ نسب کسی نہ کسی طرح نادر شاہ درانی سک
ضور جا پہنچا ہا لیکن میں اسے ہمیشہ آفواہ ہی سمجھتا تھا۔ اس نے
حوالہ تودے دیا تھا لیکن نہ سب بھی ہو رہا تھا۔

”کبھی سماں گے ہمایا بھی آئیے پرنس“ سرفیاض بولے۔ ”میں آپ
کو ان شیروں کی ہالیں دکھاؤں گا جو میں نے شکار کئے تھے۔“

”ضور آؤں گا جناب۔ مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔
ایسے بزرگ اب کہاں ملتے ہیں جو جوانوں سے بڑا بڑی کا برستاد کرس۔
میرے والد حضور تو مجھے نہ سامائے۔“ مجھ کو مجھ سے بھی اس نہم کی لفتگو
تھی ہمیں کرتے ہیں۔

”جسی پرنس! بزرگوں کی شان تو ہی ہے، میری بات تو ہے
دو۔ میں نے اپنے پندرہ بیس سال مفری ہماکت میں گزارنے ہیں۔
میں تو اپنے بیوی میں بھرہی بنا رہا ہوں۔“ شیخ چلی نے اس پر
سرفیاض کی بینہ تعریف کی اور کافی دیر تک ان کی ہاں میں ہاں ملا۔
رہا۔ پھر شست بخواست ہو گئی۔ بزرگ نے کلب سے بچکل رہ چلی کی
پڑھونکی اور بولا۔ ”واقعی اب تم چل بکھے ہو اور یہ صرف چیزی
گھر بیٹ کا کمال ہے۔ مجھے تو بیرون آگیا تھا جب تم بھنسے کی قوم
ہلا رہے ہے۔“

”تم مگر یہ سب تھا کیا بڑے بھائی مجھے تو وہی تھے کہ کہیں ہیں اخلاقی
تلک کا مرض نہ ہو جاؤں۔“

”میں کچھ نہیں جانتا ہوں۔ مہیں بتا چکا ہوں کہ چاکھی بتاتا
نہیں ہے کیا پہلے ان نے نہیں بتا چکا کہ وہ نہیں طوائفوں کے
لیے کیا۔“

”فائدہ! اب کیا تباوی شرم آرہی ہے۔ شوق ہی تو ہے۔“

”معنی مچان پر سیٹھے کا شوق ہے۔“ سرفیاض کی حیرت اور زیادہ بڑھ
گئی اور زبردھی شیخ چلی کو گھورنے لگا۔ لیکن پلی جلدی سے لوگا۔ ”بھی نہیں
وہ منتظر رکھنے کا شوق ہے جب شیر بھنستے کی گردان دلوچتا ہے اور اور
بھنستے کا حسم تو بالکل ساکت ہو جاتا ہے تین دم بڑے غنائم انداز میں
ہوتی رہتی ہے اور شیر جھلا کر اس کی دم توڑ دیتا ہے۔“

”محض اس لئے آپ ایک بھنستا ضائع کر لے ہیں؟“

”پھر عرض کروں گا کہ والد حضور نے بعض شوقوں کے لئے کہی کافی
ضائع کر دیتے ہیں۔“

”اوہ۔ میقینا۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔“

ریاست کا کیا کتنا سبجان اللہ! دیے کیا آپ کا شبلہ اسٹ کسی
بادشاہ سے ملتا ہے؟“

”وہ جی ہاں۔ نادر شاہ درانی سے۔“ چلی نے شرما کو بابت دیانت
”واہ سبجان اللہ! اچھا آپ نے اب تک لکھنے شر شکار شکتے
ہیوں کے۔“

”ضرف گیارہ مددو باتیں یہ ہے کہ والد حضور مجھے بنیاد چاہتے ہیں
بس چوری پھرے شر شکار ہو جاتا ہے۔“

”اکلوتے ہیں آپ؟“

”جی ہاں۔“

”سبجان اللہ۔ اسی کے باوجود اس اتنے شریف مکر المذاہ ہے۔
مجھی ہاں۔“ کیوں نہ ہو آپ کی تگوں میں شاہی خون توڑ رہا ہے۔

بیان کیوں نے جاتا ہے؟ یا اب یہ بتا دیا ہے کہ اب تمہیں وہانکیوں نہیں جائے دیتا؟

”نهیں بتایا۔“

”بس تو یہ سمجھو کر وہ دراصل یہ چاہتا تھا کہ تمہیں عمر توں کے سامنے بولنا آ جاتے۔“

”لیکن یہ شیر کا شکار۔“

”ذہدا بہتر جاتا ہے۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“ اُس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ کچھ دلوں تک ستریغن سے تمہاری سعیر یعنی کروں پھر دلوں کو ملا دوں۔ خصوصیت سے شیر کے شکار کا معمالہ مذکور اس کے علم میں لادیں۔“

پارے مجھے تو راپفل اور بیندوق کے نام ہی سے ہوں آتا ہے۔ مگر تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتا ہے تھا اس میں اگر ترکیسے اسکا ہی کردیتا تو۔“

”لیکن زندگی میں زندہ دن کر دشمن کیا۔“

”شیر چاہتا تھا کہ شکار کے ذکرے تیر میں ہو جاؤ، اور میں اُسے تمہارا شہزاد میلان نہ تاثرت کرنے کی کوشش کروں۔“ ویسے مجھے یقین تھا کہ تم شیر کے شکار کے قصے تو وہ اسی سکون کے کیونکے اس موضوع پر ہیں اکثر بور کرتے رہے ہو تو وہ کون مجھے تمہارے سوتیلے چاہ جو گھوڑے کی دم پر بیٹھ کر شیر کا شکار کیا کرتے تھے۔“

”تم ان کا غاذی نہ اڑاؤ۔“ پھر نے بر ایمان کر کیا۔ یہ جو گھوڑے نہیں

ہے کہ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر شیر کا شکار کرتے تھے۔“

”اب لے تو وہ گھوڑا بھی تمہارے چاہی کی طرح بہترین نشانے باز رہا ہو گا۔“

”بھی شیر کی شکل ہی دیکھ کر گھوڑے کا ہارت فیل ہو جاتا ہے۔“

”ہو جاتا ہو گا۔ وہ عربی نسل کا گھوڑا تھا۔“

”حالانکہ عرب اونٹ پر بیٹھ کر شیر کا شکار کرتے ہیں۔“ زبر

نے چڑا نے والے انماز میں کہا۔

”بس ختم کرو، ورنہ مجھے غصہ آ جاتے گا۔“

”ختم کر دیا۔ اس وقت تم سے ایسا بھی خوش ہوا ہے کہیں۔“

”غضہ بھی کرو اور داشت کریں گے۔“

”لیکن اگر اس نے دوسری ملاقات پر شیر کے متعلق کوئی عملی بحث

پھیڑ دی تو میں کہاں سر چھوڑوں گا؟“

”از نے اسی ختم کرو۔ کبھی اس کے بات پر نہیں بھی شیر کا شکار کیا اور نہ

کہا۔“

”اچھا۔ میں اُس سے شطرنج میں الجھا لوں گا۔“ میں تم سے اچھی شطرنج میں

لیکھنا جانتا ہوں تھا۔ ابھی اماڑی ہو اور اور وہ بھی زرا اماڑی ہے بیس

اُس سے توبات دے سکتا ہوں۔“

”لیکن وہ تو مجھے اس لئے اپنے گھر پر لد کر گیا ہے کہ اسے شکار کرنے

ہوئے شیروں کی سجائیں مجھے دکھا کے۔“ اچلی لئے کہا۔

”سچ پیارے۔“ میں زہم دلوں ہوں پر دیکھی ہیں۔ امداد مقامی

لوگوں کے متعلق اچھا سے زیادہ نہیں جان سکتے۔ یہ بات مجھے چاہی ہے۔

”معلوم ہوئی بھی کہ اس نے بہت سی کھائیں اور اڑا ہر سے ہر دکھی کو رکھی ہے۔“

”چلی کچھ نہ بول لادا۔“ پھر نے دلداری کیا۔

ہر قی تھی تو وہ چاروں طرف آنکھیں تھیا کر دیکھتا مگر کوئی الیسا نظر نہ آنا جس لیے
یہ ریس ایمن سے طکولتے کی ہمت ہوتی تھی۔ اسے سنا تھا کہ جمال
ایک چیل ان نے کھو دن ہست کی تھی لیکن اب وہ بھی اس کے پیچے
دم ہاتا پھر رہا تھا اس قرتوچی کو بڑی حیرت تھی کہ اس نے سنا تھا کہ جمال
بھی برٹنے وال گروے نما فوجوں ایسے اور اس نے بھی گھاٹ گھاٹ
کا پانی پیا ہے وہ غفرنیب ہی چاکی چودھڑا ہست فتح کرنے کا
مکار بنتا ہوا اس کے ریس تھا۔

خود پیل نے اس کیا پل کے متغلق ریس اس سے پوچھا
کہ اسے کچھے ای راز کی بات تھی پیدا نے مگر میں تمیں ضرور
تباہ کرنا کہ میں یہ جا کی طاقت کا علم ہو جاتے۔ مگر اس کا تدکہ
اوہ کسی نے نہیں پاٹتے درست تم چاکو اپنے حق میں ظالم بھی پاؤ
گئے اور تمیں ایک بھی ایسا بڑے گاہوت ہماری فرمادیں ہے۔
”بارے نہیں چھاڑاہ کیا بات ہوتی“ چلی اپنے دلوں کا
پھنگ کر بولتا۔

”یہ چیال صاحب ایک عورت کے انوار کے کیس میں وضور رکھتے
تھے یہ ریس ایمن اپنی باتیں آنکھ دیا کر مسکرا یا ایسا لہذا پھر طاہر ہے ایسے
آڑتے و تتوڑتے این چھاہی بیاد آتا ہے سالوں کو
کیا ہوا تھا؟“ شیخ حیل کا اضطراب اور اشتیات بڑھ لیا
لیکن بھتی یہ عیاش لوندے سے اپنی طرح تارے جاتے ہیں۔ سیر میں آپ
نے ایک دلال سے سوڈا کیا تھا ایک لڑکی کا، وہ لڑکی لایا۔ آپ لڑکی
کو کرش پر بیٹھا کر جسے ہی گلی کے موڑ پر پہنچے ایک آدمی نے کش روک

تھا اور ویسے ہی شامہ نہ انداز میں جس میں بار بسجا لئے کی شروعات
کا حکم تھا کہ وہ کبھی تنہا کلب ز جاتے اور نہ اسے بریاضن کی کوچی میں طرف
جانے کی اجازت تھی۔ چلی کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنا سرکسی دلواہ سے مکرا
کر ساری اچھنوں کا غات مر کر دے۔ ریس ایمن نے خود ہی اسے سرفراز
ملوا باتا اور اب خود ہی کہہ رہا تھا کہ وہ اس سے زیادہ نہ طے۔ ریس ایمن اس
کے لئے آمیتہ آمیتہ مصیبت بتا جا رہا تھا۔ یہ مصیبت ہی تو تھی کہ وہ اس کے
سامنے مبیو ریس بن کر رہ گیا تھا، جو کچھ کہتا دہی اسے کرنا پڑتا یہ بھی کوئی
الجھن کی بات نہیں تھی کیونکہ تو ابھی ریس ایمن نے اسے مرغابنیا یا تھا
اور نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی ناک کاٹ کر کالج کے طاولہ پر چکا آتے مصیبت
در اصل قہری ابھی تھی جو بعض عکتوں کا مقصد نہ معلوم ہوئے پر اسے
اکثر احتیاج تھا کہ اپنے بنا دیتی تھی۔

ایں کے اخراجات کا باہر اب بھی ریس ایمن ہی اٹھا جائے ہوئے
تھا اور ویسے ہی شامہ نہ انداز میں جس میں بار بسجا لئے کی شروعات

لیا تبتہ جیساں جی کو معلوم ہوا کہ وہ اکتے آدمی کی بیوی کو چھکاتے لئے
چارہ ہے تھے۔ ایک بہت بڑی بھیر اکٹھی ہو گئی۔ ظاہر ہے چاکا کو نہ
بھی اسی وقت اُس طرف بے کیون نہ ہوتا۔ لیکن اتنی وقت چاک دور
پتے تباشنا ہی دیکھا رہا تھا تک کہ وہ حضرت اڑاکی سمیت خانے
نہیں بخیج گئے اور بھرخانے سے انہیں چاکے علاوہ اور کوئی بے داش
لکال لانا کیا بھجے چلتے۔

چلی بے چارہ سنائے میں رہ گیا۔ وہ چلی، ہی سی لیکن اس وقت
یہ بات بالکل اچھی طرح اس کے بھی میں آگئی تھی کہ لال کیسا رہا گا،
اڑاکی کسی رہی ہو گی اور خانے میں کیا ہوا ہو گا۔ تقریباً سارے ہی
خانوں کے ان پیڑوں سے چھاکی غاضبی خان پیچاں ہتھی۔

”بہت خطرناک آدمی ہو چا۔“ چلی نے بھرا ہوئی آواز میں کہا۔
”میں نہیں۔ یہ کھوپڑی۔“ چھاکے قبیلی انجکی رکھ کر کہا۔ ”میں
تو صرف گشت کا لخترا ہوں، جو دال دین گی وہی سے عالم وجود
میں آیا تھا۔“

”والدین کی وجہ سے؟“
”اور نہیں تو کیا اسیان سے پڑکا ہا لیکن یہ کھوپڑی بھی والدین
ہی کی ہوئی بشرطیکار ہوں نے اسے بھکنے نہ دیا تھا۔
”میں ہمیں بیجا۔“
”چلے جا۔“ اسی داستان سے تم جاتے ہو کہ میں نے آٹھ سال
کے اپنے کھر کی صورت بھی نہیں دیکھی۔“

”تمیں اس بات پر حیرت نہ ہوئی چاہتے کیونکہ پتہ نہیں تھیں جی
کہ گھر کی چورست دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔“ ریس اپنی نایاب آنکھ
دیکھ لولا اور خلی کیا ڈل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا اور یہ بیک
اُسے خیال آیا کہ وہ بھی چاہی کی طرح خاتہ بدشمن ہو چکا ہے۔ بھر
اس کا دل بھر آیا۔ وہ لسوڑ ہی رہا تھا کہ ریس الحسن ہاڑا اٹھا کر بولا۔
”یکھر یاد آگیا ہے۔“

”ہاں۔“ چلی شنے پسلا ہو نہ دانہوں میں دیکھ کر آنسو پینے کی
کوشش کی۔ ”مجھے افسوس ہے۔“ ریس الحسن نے سر پلا کر کہا۔ ”تم میں ابھی
کہی کہ درزیاں باقی رہ گئی ہیں۔“ خیزان کا بھی علاج ہو جاتے گا، پروادا
نہ کرو۔“ چلی میں اب گھر کو اپنے جانا پاہتا ہوں۔“
”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ ریس الحسن اسی کی خشک بوجھ میں کہا۔
”میکھ انسیا د رکھو کہ جس طرح جیسا تھا نے پنج گیا تھا اسی طرح ایک
حامل طوا فلت تھا زندگی اور وہ تھا اسے کی اور وہ تھا اسے کیا
روکر کئے گی کہ تم ہی اس کے ہونے والے سے کے باتیں ہوئیں۔“
”اڑ لے بیچ رکھے۔“ پہلی اس طرح اچھل پڑا جسے کر سی کے
دامت نہ کل آئے ہوں وہ دونوں ٹاٹھوں سے پیٹی دیا تے چاکو
کھوڑ رہا تھا۔ ”آخر تم چاہتے کیا ہو جا۔“
”وہیں مددی والدین کو نکست اُسیا جاہتا ہوں اس کے علاوہ
اور کچھ نہیں۔“

”میں تمہیں سمجھتا ہوں“ پر پورا کیا جائے، اب میرے والدین کے ساتھ میں اپنے بھائی سوچتا ہوا ذہن کے سفر پیدا ہوتے ہیں، گوتمداری ہی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن تمہاری حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر تم لنگڑا اکر چلتے ہو تو بچوں کو اس پر کیوں مبنی رکرتے ہو کہ وہ بھی لنگڑا اکر چلیں، اور جلدی، یہ بھی زیادہ نہیں ہے، تم ان کے احترام میں لنگڑا اکر بھی چل سکتے ہیں لیکن۔ یہ لیا ذرا ذرا اسی بات پر پورا کیا جائے، اب میرے والد صاحب ہی کی مثال ہے لو۔ میں ان کے ساتھ بندہ آزار میں گفتگو نہ کر دوں، میرے آئے تو قمقوں میں نہ تبدیل ہو سکے بلکہ پیٹ ہی میں پھوٹنی رہے۔ ان کے ساتھ یہ پان نہ چاؤں، سیگریٹ نہ پیوں بلکہ وہیے جما ازامات بھج پر کھیں تو میں ان کی تردید نہ کروں، اپنی صفائی نہ پیش کروں، میرے مردوں تو ان کے حکم سے جیوں تو ان کے حکم سے یہ بات نہیں بلکہ میرے خدا بنا چاہتے ہیں۔ یہ تمہیکہ سکرے میں ان کی دختر سے عالم و خود میں آیا ہوں لیکن نہ میں ان کے فہریتے ہو تو حستکا ہوں اور نہ میرا معدہ ان کی چباتی ہوئی غذا ہضم کر سکتا ہے بھروسہ بھجنے اپنے ہی جسم کا ایک حصہ سمجھنے پر کیوں مرض ہیں۔ جس طرح ان کے لامتحب پیران کے ذہن کے تابع فرمان ہیں اُسی طرح وہ بھئے بھی اپنے ہی فہریت کا تابع فرمان دیکھنا چاہتے ہیں لیکن نہ نامکن ہے۔ تم بھروسے ہونا ضریبی بات؟“

”سمجھ رہا ہوں“، میں نے کہا اور پھر ایک ٹھنڈی سالنس لی۔

”میں نے ان کے جسم کا کوئی عضو بننے سے انکار کر دیا یہ چیز ہے“

”میں الحسن بولا۔“ لہذا انہوں نے میرا خدا بننے سے انکار کر دیا۔ یعنی رزق بند۔ نہیں میں گھر جانے کا ہوں اور زمیری وہ بد کر سکتے ہیں۔ انہوں نے آج سے آٹھ شوال پہلے کہا تھا کہ میں در در کی بھر ان کے در پر حاضری وہوں کا اذتم دیکھو ہی رہے ہو کہ میں در در کی بیخوں میں قبیل ہو اسی بکہ پورے آٹھ سال بے اس کاچ نہیں جانا ہوا ہوں بات اسے خدا بننے سے انکار کر دیا تو میں نے شیخان کی دُم پکڑا۔“

”میرا دل الجھ رہا ہے تمہاری بالوں پر چھا۔“ پھلی لئے بسوڑ کہا۔

”تم گھٹے ہو۔ مردؤں کی طرح جینا سیکھو، شناخت قسم کے والدین کو سینا دو کہ وہ دل لد گئے، جب تم گھوڑوں اور کتوں کی طرح بھی پال لیتے بھئے، یہ بیویں صدی ہے، الگم نے بچوں کے جذبات کا اضرام کرنا نہ سیکھا تو وہ نہ صرف تمہارے لئے ساری دُنیا کے لئے وہاں جائیں گے۔ بھئے دیکھو لو، بعض میرے بات کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے میری ذہانت غلط راستوں پر جا پڑی ہے اور اسے لکھ لو کہ میں ایک دن ساری دُنیا کے لئے ذہن بن جاؤں گا۔ میری نظرؤں میں کسی کی بھی کوئی وقعت یا اہمیت نہیں رہ گئی ہے۔ میں اسی ابلیس کی طرح ساری دُنیا کو انگلیوں پر سجا سکتا ہوں جس نے آدم کو بہت سے نکلایا تھا۔“

”چھا خدا کے لئے“ پھلی گمراہ کڑا۔“ تیس کاچھرہ خوفناک ہوتا جا رہا تھا۔

”خدا کی بات نہ کرو، اس سے بھی آج کل میرے تعلقات اچھے نہیں“

میں۔ اسے گھر نہ بخو۔ چلی نبے دو نوں کانوں میں الگلیاں ٹھونن لیں اور
تریس خون تاک انداز میں ہنتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔
آٹھ رتیں الحسن نے کچھ کھل کر گفتگو کی تھی، لیکن کیا اس سے چل کی
لماں الجھنیں رفع ہو گئی تھیں۔ لیا وہ تریس الحسن کے تعلق سب کچھ جان گیا
تھا، کیا اُسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ تریس الحسن اُسی سے کیا پا ہتا ہے۔
وہ کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تریس الحسن کی عنایات کا منصرف
آننا ہی ہے کہ چلی اپنے باپ سے متوجہ نہ کرے۔
جلا اس قسم کے صلح و پیکار سے اُسے کیا دلپی ہو سکتی ہے۔

ایک دن فریز نے اُسے مرزا فیاض کا دعوت نامہ دیا۔ انہوں نے
اسے اپنی اڑکی شامروہ کی سالگرہ کی تقریب میں مدعو کیا تھا۔ دعوت نامہ
چھپا ہوا تھا اور کارڈ کی پشت پر سرفیاض نے تحریر کیا تھا۔
”پرانی اگر ترمذ نے اس تقریب میں شرکت نہ کی تو مجھے بے حد دکھ
ہو گا۔ مژوڑ آؤ میں کوئی غدر سننے کرنے تباہ نہیں۔“
چلی گئے وہ دعوت نامہ چھپا کے سامنے پختے ہوئے کہا ”اب بتاؤ
میں کیا کروں؟“

فریز سے خیال میں بھی بتاری شرکت بہت ضروری ہے۔
اشیخ کو اس کے اس اچانک ینٹھے پر بڑی حیرت ہوئی وہ تو
صحا تھا کہ تریس الحسن سے اجازت ملنی نکل ہو جاتے گی۔ لیکن الجھنیں
تو اس کا مقصد رین جی تھیں۔ تریس الحسن نے صرف اُسے تقریب
میں شرکت کی اجازت دے دی بلکہ ہکے زیرات کا ایک سیٹ بھی

خریدیا تھا۔ یہ اُسے سرفیاصل کی لڑکی کو تختنما پیش کرنا تھا۔
چلی بے حد خوش حالیکن عین موقع پر جب زیر نے دعوت میں
شرکت کرنے سے انکار کر دیا تو میں کی ساتھ پھوپھو لئے گئی۔
”تم جاؤ۔“ زیر نے کہا ”مجھے پچھا در بھی ضروری کام کرنے ہیں اس
لئے نہ جاسکوں گا۔“
”میں تھا کیسے جاؤں گا؟“
”تم تنہا ہی جاؤ گے۔“ ریس نے غصیل بحی میں کہا۔
”میں تو نہیں جاؤں گا۔“
”کیا؟“ ریس نے آنکھن لکالیں۔
”چلا جاؤں گا۔“ چلی نے مردہ سی آواز میں کہا۔

وہ سے ایکی ہی جاناتر اولادے الگ ریس الحسن کا غوف نہ ہوتا تو
وہ لاکھریں نہ جانا وہ لاکھ جلن تکلا ہر تو مگر پھر بھی شاخ چلی ہی صدر۔
یہ سوچ شواعج کراں سے چکڑ آ رہے تھے کہ سرفیاصل اُنکے علاوہ اور
کوئی جوان پہچانی والا نہ ہو گا، غالباً ہر بھائی تھے سرفیاصل کے ساتھ مژدوع
سے آخر تک رہنے کی تقریب کے موقع پر نامنکن ہی ہو گا، پھر کیا وہ
تینیں سمجھیاں نہیں گا، کہیں وہ نہیں ہو گئی تھی وہی سے باپکل چند
زمعلوم ہونے لگے۔

یہ اُس کی ایک بہت بڑی کمر دزی تھی کہ وہ کسی مجھے میں تنہا جانے
ھے ورتا تھا۔ ایسے موقع پر اُسے بن ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے
دشپ کی آنکھیں صرف اسی کی طرف بھگاں ہوں اور جیسے جمع کا ایک
زندہ انس کا باہر نکلا کر کئے گا اسے سڑا آپ کا یہ سوت باپکل بستہ

سلاہ ہوا تھے اور ایک دیکھتے پتوں کی فائیکسی دامہنیت ہے اور کریں
کیوں ادھر ادھر بھاگ رہی ہے، طائی کی گرد آپ نے غلط لگائی ہے
اور آپ کا یہ سوت بالکل بے موقع ہے اس موسم میں آپ کو
سنگل ان رنگ کا سوت پہننا چاہیے تھا اور یہ آپ اتنے بد خواہ
کیوں نظر آ رہے ہیں کیا غلطی اسے کوئی پچھا بیو فرک آپ کی بھیت
میں کو دیگا ہے؟“

جیسے ہی اس کی لٹکی سرفیاصل کی کوئی کے چھاپک تڑپر کی علی کا
وال بہت بندت سے دھڑکنے لگا اور پھر اُسے اس کا بھی ہوش
خدا ہیں رہ گیا کہ اسے کس نے کوئی ٹکے اندر پہنچایا تھا، ایسے اُسے
اتسیا یاد ہے کہ جیسے ہی اس نے تقریب میں قدم رکھا تھا کسی نے
اس کے نام کا اعلان کیا تھا۔

”پرانی علی پر دیز، آف روکت لوٹا۔“
مگر اُسے سوتھی کہ اُس کے نام کا اعلان کیتے ہو گا تھا،
کیونکہ اُس نے تو کسی کو بھی اپنا نام نہیں بتایا تھا اور ابھی تک کسی
شناساً سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی سرفیاصل کا دوسرے دور
تک پڑتے نہیں تھا۔

پھر بہت در بعد یہ سوتھی حل ہوا۔ وہ اصل دعوتی کارڈ اس سے
چھاپک ہی پر کے لیا گیا تھا اور دعوتی کارڈ پر اُس کا نام تحریر تھا
غالباً دعوتی کارڈ اس کے لیا گیا تھا کہ سماں کے ناموں کا اعلان
لیا جائے۔ اس کے لیے اس کا نام تحریر تھا۔
سونگ پی سوتھی رہا تھا کہ کاشن اُن کے نام کا اعلان نہ کیا گیا ہوتا

نیکونک کیک پیک دیخوں آنکھیں اُس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ اُس نے یہ بھی موسوس کیا کہ وہاں دوپتے اور غرائبے بھی موجود ہیں، لہن پھر کیا تھا۔ اُس پر اچھی خاصی بکھلا ہٹ طاری ہو گئی۔

اگرچھ کب اُسی وقت سرفاصلے میں ملاقات نہ ہو گئی تو شاید وہ لکھے پاؤں دھماگ نہ کھاتا۔ بلو پرنس اے زدہ کیک کر چل کی طرف بڑھے، چل نے مصانع کیا جائے۔ بڑے بے مرود ہوتم پرنس! اس دن کے بعد سے پھر بھی ہی نہیں۔

لہن کیا بتاوں جناب۔ فرضت ہی نہ ملی۔ چل مسکرا یا۔

مذاق آؤ بیٹھ نہیں اپنے خاندان والوں سے ملاوں سب بے جوشان ہیں۔ سرفاصلے اُسے اک طرف کھینچتے ہوئے بولے، چل چپ چاپ ان کے ساتھ چلدا رہا۔

وہ اس تدریج کھلایا ہوا تھا کہ خاندان والوں کا شمار نہیں کر سکا، البتہ وہ لڑکی بڑی طرح اس کے ذہن سے پتک کر رہ گئی جس کی سالگردی چلی کو سرفاصلے کے خاندان والوں ہی تکے پاس جگئی۔ اس طرح قسم سے بازیاں بکھیوں پسے شاہزادہ کو دیکھنے کے موقع تھیں اور ہوتے۔

ولیے اس پر بکھلا ہٹ اور شر میلے پن ختنے دور نے ایک ساتھ پڑتے تھے اور اس کا گہری سامنہ چند رہو کر رہ گیا تھا۔ لہن کیا خصوصیت سے اُسے گھوڑ رہی تھیں، لیکن یہ چیز چلی کے لئے باعثِ مشت نہیں تھی، کیونکہ جیسے جیسے اُسے گھوڑے جانے کا احساس ہو رہا تھا اس کی بکھلا ہٹ میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

خدا خدا کر کے سالگرد کی طرف سرفاصلے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

یہیں بیان آتی کیونکہ اب سارے مہان شاہزادے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

رسنات کے احتشام پر تھا لف کا دوز شروع ہوا جل کئے تھے یہ پھلا موقع تھا کہ دکی کو تحفہ پیش کرنے جا رہا تھا۔ شاہزادہ تک پہنچنے میں کتنی بڑائے پچکرائیں تھیں بار آنکوں نے پیٹ میں پچکر لگائے، لیکن کتنی ترکی طرح اُس نے تحفہ پیش کر کے دل ہی دل میں سجدہ شکر ادا کی۔

دی پھر چاٹے اور تفسیریات کا دوز شروع ہو گیا، شاہزادہ کی سیل نے ایک واقعاتی رقص پیش کیا، جو بے حد پیش تھا۔ اور چلی کے خیز روح افزایا تھا۔ پہنچت ہوا وہ اتنا جو ہو گیا کہ دو پیش کا ہوش نہ رہ گیا اور پھر شاہزادہ کے لیتوں نے تو اس کا دم ہی نکال لیا۔ وہ بہت اچھا گھانتی تھی، بعض ہمانوالوں کے بے حد صرار پر اُس نے تین گستاخے کے پھر ہمانوالوں کی والپی کے ذلت سرفاصلے پر اچلی کو ورکنے کا اشارہ کیا۔ اُسے بید خوشی ہوئی۔ وہ کچھ دیر اور شاہزادہ کو دیکھنا چاہتا تھا جس کے مسکرا نے کا انداز بہت دلچسپ تھا۔

چلی رک گیا شاہزادہ اس کے قریب موجود تھی اور اسے انداز سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ کسی دوسری دنیا سے پکڑ کر لایا گیا ہو۔

لہن سمجھ بہت شکل کام ہے۔ سرفاصلے لیڈی فیاض سے کہ رہا تھا۔ فرمایا عرب دیکھو اور یہ سچتہ کاری بڑے بڑے روانے شکاری تھی اس طرح شکار کرنے کی بہت نہیں کر سکتے یہ لیڈی فیاض سرفاصلے کی خیفت سی چیز دیکھ کر شکرا میں۔

آؤ پرنس۔ سرفاصلے نے اس کے شاہزادے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

یہیں اپنے شکار کرنے ہوئے شریروں کی کھاپیں ذکھاول۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئتے جہاں چڑاؤں طرف پولوارڈن پر بڑے بڑے شیروں کی کھالیں نظر آ رہی تھیں اور ایک کھال کر کے منظر میں نہش پر بھی پڑی ہوتی تھی دیواروں پر خلائق گھلوں میں قدیم اور تجدید اسلج بھی موجود تھے۔

ان کے ساتھ دو آدمی اور بھی آتے تھے۔ یہ بھی سر زیماں ہی کی ہڑخ بوڑھے تھے اور زی خشیت معلوم ہوتے تھے۔

سر زیماں چلی کوپاٹ نے ساخت کی بندوقیں دکھاتے ہوئے ان کی تاریخ بتا رہے تھے اور اب چلی بھی چلنے کے مروڑ میں آگیا تھا۔ لشکار کے دیوان میں بچے کبھی بھی عبرت بھی ہوتی ہے جناب۔ اس نے کہا "ایک بار بچے اطلاع میں کا ایک تالاب بوزرگ کی جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے شیر کے شکار کے لئے بست موزوں ہے کیونکہ آس پاس کے شیر عموماً دین پانی میں آیا کرتے تھے۔ میں نے بار بست موقع کا جائز لیا تاالب بست دیس بخدا اور اس کے کچھ حصے میں صرف دل دل ہے۔ دل دل بزرگوں کی گھنی جھاڑیوں کے سلے چلے ہوئے تھے، اچانک میری نظر دل دلی جھنے کی طرف اٹھ گئی، جہاں ایک بھینسا آدھے دھڑ سے دل دل میں چھتا ہوا دکارا تھا۔ پھر میں نے قریب ہی کسی شیر کی دھڑ سی، دوسرے ہی لمحے میں وہ تالاب کے کنارے تھا ایمن نے رانفل سید بھی اسی کی تھی کہ میں نے جنت لگانی اور سیدھا دل میں پھنسے ہوئے بھینے پر گنا۔ میں نے سوچا کہ اس کی بھی شامت نی آئی تھی۔ اب یہ بھی دل دل میں چھنس کر رہ جائے گا لیکن جناب میری عبرت کی کوئی اینتہا نہ رہی جب وہ بھیت و غریب منظر میں تھے وہ کہا

چل سالاں لیتے کے لئے رکا اور سر زیماں نے مفظہ رانفل از اس بیان پوچھا۔ "کیا منتظر"۔
"اب کیا عرض کر دوں۔ اب صرات میں نہ کریں کے کوئی بھی عرض نہیں کر سکتا۔ مگر ان آنکھوں کو کیا کیا جائے جہاں لے دیکھا ہی تھا یہیں اگر میں کھی اور سے سما لا مجھے بھی سینہ نہ آتا۔"
"اے! اچھے بتاؤ بھی؟"

شیر نے چھنے کو ایک ٹانکوں میں داکر بحث لگانی سے تو پھر بھینے سیمت کنارے اسی پر نظر ریا۔ میں کافی کرہ گیا اور سوچا کہ ایسے طاقتور حاؤر کو دو بالشت کی رانفل سے نارو ایسا اس تک نبردست نہیں ہے۔
سر زیماں کے دلوں سا تھی سمجھا کے چلی نے انہیں سکوت کرنے ہوئے دیکھا اور کتاب ہو کر رہ گیا۔
دفعتاً ایک آدمی نے زمین پر پڑی ہوتی شیر کی کھال کی طرف اشارہ کر کر کہ کہا۔ "ذرا ناپتے تو کھور صاحب، یہ شر تباہ مارا ہو گا۔"
"کیسے ناپوں؟" یہی نے غصہ لختیں لئیں لے لیا۔ اس بڑھنے لئے اپنی جیب سے ایک قط کا پیمانہ نکال کر اس کی طرف پڑھا دیا۔

بسوس صدی کے شیخ چلی آئنے ڈفر بھی نہیں ہو سکتے تھے مگر ان میں مو بمع شناسی کا دہ سے سے پایا ہی نہ جاتے، چلی سمجھ گیا کہ اس مقصود ہے۔
اُس نے آج تک زندہ شیر کی سکل میں دیکھی تھی لیکن پیروں

کے شکاری تو دیکھئے ہی نہیں اور شیروں کے شکار کے متعلق ان کی گفتگو
وئی تھی اور وہ داستانیں سمجھنی تھیں جن کا تعلق شیروں کے شکار سے تھا
اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شیر کو سن طرح نایتے ہیں۔
اس نے اسکیل سنبھال کر اُس کمال کو دم سمیت ناپ ڈالا۔ دونوں
بوڑھوں نے ایک دوسرے کی طرف خفت آمیز نظروں سے دیکھا۔
ویسے تر نیاض کے انداز سے ایسا معلوم ہوا راجا جیسے انہیں ان
بوڑھوں کی یہ حرکت بے حد کراں گزری ہوئی۔
چلنے والی سوچا بی زیادہ بکواس ترکنی پاہتے شاید سریاں نہیں
دوستوں میں پہلے ہی سے اس کے قصیدتے پڑتے رہے ہیں اور وہ بوڑھا
ایسی حیب میں اسکیل کیوں لئے چرتا۔
لیکن فرمائے اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ ان کے متعلق جما کا قول
بالکل درست تھا۔
شاید ان کے دو شدوں نے بھی کبھی شیر کا شکار نہ کیا اور وہ
کھائیں یعنیتاً غریدی ہوئی ہوں گی۔

سرفیاض کے ہیاں چلی کی یا فاغدہ طور پر امداد فت مژروع ہو چکی تھی۔
چھانے نے اس پڑپتی اعتراف نہیں کیا۔
خیلی اس سلسلے میں عموماً اسے غلط ہی اطلاقات دیتا۔ بھی نہ کہا کہ
وہ روزانہ آجھا سے بھنسے پھلنے سختی کی خبر دیتا اور اس سے یہ کہ اس کو
اسے یہ ت ہوتی کہ اسے سرنا من سے ملتے رہنا چاہتے ہے۔
”آخر کیوں؟“ خلی کہتا۔
”پھر تو تم بھے ان سے ملنے ہی نہیں دیتے ہیے اب ان کے گھر بھختے
ہو۔“
”پھلے کی مات پھوڑو“ ریس اجمن کہتا۔
”بیر تو بھے اب معلوم ہوا ہے کہ سرفیاض بہت نیک اونیں ہیں۔“
”مگر خواہ مخواہ ان سے کیوں نہیں؟“
”اُن نے کہ یہ چاکرا جنم ہے۔“ ریس اجمن کے غصتی آوان میں
لما۔

"مقصد" چلی دانت پیتا۔

"میں بخواں نہیں سُننا چاہتا" گیا سرفراض نہیں جانتے ہیں۔

"چلے اس چکر میں مت ٹپو، جو کچھ میں کہوں کرتے رہو، کیا ابھی تک تمہیں میری کسی اسکیم سے کوئی نقصان پہنچا ہے، اگر پہنچا ہو تو میرا کہنا نہیں اگر نہیں پہنچا تو یہ سمجھ کر اسندہ بھی اس کا احتمال نہیں ہے، لہذا جو کچھ بھی کہوں کہاں وبا کر کرتے رہو۔"

"آخر مقصد ہی کیوں نہیں بتا دیتے؟" "نہیں بتاؤں گا بحث کو طول نہ دو، اور نہ پختاؤ کے"

پلی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ "دوسری طرف شیخ چلی کو ایک نیاروگ لگا جازما تھا یہ خاصیت میں شروع میں اسے شامہ کی صرف سمجھا ہے پسند آتی تھی۔

پھر امہتہ اہستہ یہ خیال اُس کے ذمہ میں جوڑ پھر تاریادہ جس انداز میں چلتی ہے اور جلدی وقت سرمن جوکل سی خیش پیدا ہوتی ہے اس کی مثال کسی دوسری جگہ ہرگز نہیں مل سکتی۔" عین اُس کے چلنے کا انداز دنیا لئے نہ الھا۔

پھر اس کی آنکھیں بھی اسے انگوری شراب کی بیتل معلوم ہوتے لگیں اور اس کی انگلائیوں میں اسے ستارے کے بغیر نہیں فیصلے لگے مگر ان سب سے لطف انڈوڑ ہوتے کے لئے اسے سرفراض کے ساتھ دوچار یا اس طریقے کی صرف کھینچنی پڑتی تھیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ دیہہ و داشتے ہا رکر سر نیاض کے بھجن بھی

لکھا چلتا تھا۔

ن آخرا کیت دن چھانے اُسے چاند سے باش کرتے دیکھ لیا۔ یعنی چاند سے کہہ رہا تھا۔

"تو اس وقت وہ بھی تمہیں دیکھ رہی ہوں گی۔ پیارے چاند میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ تم گواہ رہنا کر میری گرم آہیں۔ تمہیں پتھری پتھریں کیا کہتے ہیں۔ مسکوں میں بہت بیتاب ہوں۔ ان سے کہہ دو کہیں ترپ رہا ہوں۔"

"کہہ دیا جائے گا۔" چھانے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا اور چلی۔ اچھلی ٹاری۔

چھانے پوچھا۔

ن "کیا بخواں کر رہے تھے؟" "کچھ نہیں،" چلی عرایا۔ خوبیت ٹوٹنے پر اُسے غصہ اگا تھا۔ "پاک ہونے کے ہوشاید اتنہاں کی بھروسیں کے یہی مطلب ہوتے ہیں۔"

"تمہاری بلے سے سمجھا چھوڑو میرا۔"

ریس ہنسے لکھر اس نے پلی کی پیٹھ سہلا کر کھا۔

"چھا یسے کوئی بات ن چھپا تو ورنہ ہو سکتا ہے کہ کسی پکر میں پڑ کر پچھوڑیوں میں تمہیں کتی دلوں سے پچھلؤ یا کھو یا سا دیکھ رہا ہوں۔" "چلی خود ریوڑی دیتکت حاموش رہا پھر بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔" "ہاں میں کھو گیا ہوں لیکن اسی باز میں اپنی جان دئے دوں گا۔"

"آخر بات کیا ہے پچھو بھی۔"

چلی نے ایک بہت لمبی آہ کے بعد کہا۔
تم نے بچپلی بار بھجے حقیقت سے عشق نہیں کرنے دیا تھا، لیکن اس
بار میں تمہاری پرواہ نہیں کروں گا خواہ تم میری گردان ہی کیوں نہ اٹا
دو۔ ”عشق“ پچھا نے ہر انسان سنبھالایا۔
”ہاں!“
”تم کیا جاؤ، عشق کے کہتے ہیں۔“
پھر پچھلی نے کچھ کہنا چاہیے۔ لفاظ تسلی۔
”ہوں! تو تم پر چھڑا سی بیماری کا حملہ ہوا ہے۔“ رمیں الحسن بھائی
پر تشویش لمحے میں کہا۔
”خیر اوہ تو ایک نہ ایک نہ بھگلتا ہی پڑتا ہے، اب کس سے عشق
ہوا ہے تم کو؟“
”کیوں بتاؤں؟“ چلی مسکرا کر پکتا ہوا بولاتا۔
”نہیں ضرور بتاؤ فرہاد کے نواسے تاکہ میں تمہیں کوئی مفید مشورہ
دے سکوں۔“

لغت سے مشورہ قبول کرنے والے پر چھلی بھگلتا گیا۔
”تم اس بیاناتے میں مجھے مجبوز نہیں کر سکونگے میں اپنی جان دے
دؤں گا۔“ بھی واہ۔ اب میں عشق کر دوں تو تمہاری برصغیر سے ہاتے دہ
مسکرا ہیٹی میں مرجاون گا چھا۔ ہاتے دہ چلنے کا انداز، میں فنا ہو
جاوں گا چھا خدا کے لئے مجھے اس نیسے نزوکنا بھجے تم سے بھی
مبست ہے۔ اس لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں دو مجھیں آپس میں ٹھکرا نہ

جا یہن۔ خدا کے لئے چھا نیزی گزارش بن لو۔“
”چلے۔“
”ہاں چھا۔“
”ابے میں پوچھ رہا ہوں کہ سچھے عشق کس سے ہوا ہے اور تو خواہ خواہ
ادھر ادھر کی بکاؤں میں وقت برپا کر رہا ہے۔“
”شایدہ“ چل دردناک آواز میں بولتا۔
”یہ کون ہے۔“
”سرفیاں کی لڑکی۔“
”اوہ، ابے جلی یہ کیا کیا تو سنے یہ سرفیاں کی اکلوتی لڑکی ہے۔“
”اگر وہ اکلوتی ہے تو اس میں میرا کیا قیود ہے اگر دوچار ہوئیں
تب بھی فرق نہ پتا۔“
”رمیں الحسن بکے پھرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پچھوچ رہا ہے۔
چلی بڑھتا آتا رہا۔
”پس نہیں وہ بھی۔ اے چھا یہ توبتا و کیا وہ بھی میرے لئے
تیرپ رہی ہو گی؟“
”پوچھا ہوں سرفیاں سے فوچ پر“ اسیں بالکل ان
لے۔ ”کیا؟“ چل اچھل ٹپاٹیا۔
”ہی کہ اگر وہ بھی تیرپ رہی ہو تو وہ اطلاع دی جائے تاکہ میں
تمہیں مطمئن کر سکوں۔“
”ارے باپ رے۔“ درن نہیں۔
”پوچھو گے مطلب
یہ کہ.....“

”مطلوب کچھ بھی نہیں ایک ایام نے سرفیاض سے بتایا تھا کہ تمہین شابدہ سے عشق ہو گیا ہے؟“

”ارے کئی الٹی کھوڑی کی باتیں کر رہے ہو جا پا سرفیاض کو بتائیں۔“

”کیوں نہ بتا دا؟“

”تمہارا دماغ غراب ہو گیا ہے تایا تا۔“

”چلے۔“

”تین نے ٹھنڈی سالس ای کچھ دیر خانہ بنیش رہا پھر بولا۔“

”نظرت، تین خوب الوبنا تی ہے۔ تمہیں میری سائکل استعمال کرنی ہوگی تو بھروسے اجازت دلیک کرو گے، لیکن عشق کر دوائے ہو والدین سے پوچھے بغیر۔“

”اے خاںوشن رہو۔“ چلی پرکھ گیا ”تم میری بھبھر کو سائکل سے تشبیہہ دے رہا اس کی توہین نہیں کر سکتے۔“

”سائکل سے بھی بدتر۔ لیوں کچھ پرانی سائکل بھی کچھ نہ کھدا م دے ہی نہکتی ہے لیکن نظروں سے اُتری جوتی مجبوہہ کا کوئی مصرف نہیں ہوتا۔“

”میں اپنے کامل میں انگلیان ٹھوٹن لوں گا۔“

”پس نہ کرو۔ اب تمہیں عشق ہو گیا گیا ہے، اس لئے کچھ نہ کچھ رکنا ہی پڑے گا۔“

”یعنی؟“

”مطلوب یہ کہ تمہارا عشق تاکام نہ ہوتا۔“

”چجادی گزیٹ۔ زندہ باد،“ چلی حلق بھاڑ کر چلتا۔

”مگر اس کے روئے کے متعلق بھی تو کچھ بتاؤ اے۔“

”میں تم سے ہی پوچھ رہا تھا کیا وہ بھی میری ہی طرح بے قرار ہو گی۔“

”چلے! ایک طبقت معلوم ہوتی ہے۔“ چھا اس سے کھدر کر بولتا۔

”یعنی ابھی تم تینیں کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی تم سے عشق کرنے کا ارادہ رکھتی ہے یا نہیں۔“

”ہاں یہ بھجے نہیں معلوم۔“

”میت قوم چاہدہ ہی سے باتیں کر دیاں ہے چلے۔ وہ تمہارا بیخاں اس تک صور پہنچا دے گا۔ گذشت۔“

”از سے سنو تو ہی چھا، خدا کے لئے دو منٹ بیٹھ جاؤ۔“

”بکایا کروں گا بیٹھ کر۔“ تینیں نے غصیل بھجیں کہا۔ تینیں اسے تم پر جتنی محنت کی ہتھی مفت میں برہاد ہوتی، تم اس قابل ہو کر تمہیں گولی پار دی جاتے۔“

”میں نے کیا کیا ہے؟“

”ایک بہت بڑی حماقت تم سے سرزد ہوئی ہے، وہ یہ کہ تم نے اسے اپنی طرف متوجہ کئے۔ بیغیری اس سے عشق کر دالا اور اب بھر سے پوچھتے ہو کر وہ بھی تمہارے لئے تڑپ رہی ہو گی۔“

”چھر میں کیا کرتا؟“

”کیا وہ بھی تم سے گفتگو کرتی ہے۔“

”ہاں کبھی بھی مزاج پسی کرتی ہے۔“

”اس میں کوئی دوسرا ادی تو نہ پھی نہیں لے رہا۔“

چاکی تجویز پر علی افتخہنے لگا، اسے اب نیند آئنے بگی تھی اس لئے یہ
چاہتا تھا کہ اب چھاٹھ کر چلا جاتے۔
چاکی ہدایت پر علی اپنا زیادہ تر وقت عشق کرنے میں گزار جنے لگا
میونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں رہ گیا تھا۔
اندر فیاض کی کوہٹی میں چارہ کے شام سے لو بخ رات تک شطرنج
لہوتی اور اس کے بعد بھی اگر سرفیاض غبِ رات انے کے موڑ میں ہوتے
تو اکثر گیارہ بھی بخ جاتے وہ شطرنج کھیلتا اور ہندنی آہن بھرتا۔ ہندنی
آہنیں یوں بھرنی پڑتی تھیں کہ اسے سرفیاض پکڑ لیتے تھے اور بھروسہ دنواز
پر بہتی کرنے میں مجبود ہوتی۔ لیکن چلی اکثر دیدار پسے بھی محروم رہ جایا
کرتا تھا نسبت "بہ الملاقات" بخ۔ تقریب بخ، ہاتھ آئی تھی وہ بھی یچاری شطرنج
ہی تھی۔ سرفیاض نیپٹ لگنے والے کھلاڑیوں میں سے تھے، اتنے لئے
شطرنج کے مقابلے میں لوگ اُن نئے نوذر بھاگتے تھے۔ چلی میں انہیں
بھی ایک بہت بڑی صفت نظر آئی تھی کہ وہ اُن کی داشت میں جم کر
کھیلنے والوں میں سے تھا۔ اور ہر جل عرض شاہدہ کی وجہ سے یہ بوریت بھی
برداشت کرتا تھا، ورنہ بعض اوقات تو اس کا دل چاہتا کہ سرفیاض کو
پڑھ کر اُن کے منہ میں مُرے ٹھوٹنا شروع کر دے اور اس وقت
تک ٹھوٹدار سے سبب نہ کر دے تکل جائے، لیکن اُن وہ سوچتے ہی سکا
تھا کیونکہ ایسا کو گزرنے سے پہلے اسے اپنی محبت کی لائی پر پاؤں
کھٹا پڑتا۔

لہذا ہدایہ چلتے چاہتے شطرنج کھیلتا اور محبت کی پردازش کرتا رہا
ویسے اسے یقین ہو گیا تھا کہ احوال شاہدہ کا اور کوئی اور امیدوار نہیں ہے۔

"یہ کیا میں جانوں؟" لبے چلے بھی تیرے پاپ کو بھی عشق کی توفیق ہوئی تھی یا تو ہی چلا ہے
فراد کی قبر پر لات مارنے۔" پتہ نہیں" چلی سر بلکہ بولا۔ "شادیاں تو انہوں نے کئی عدد کی تھیں مگر
کسی کو ٹھلان دے دی اور کسی کو گزارا ذمے کر چھوڑ دیا۔ ایج کل صرف میں بیویاں
ہیں" "میں پوچھ رہا ہوں کہ تم عشق کر کے کرو گے کیا؟" "میرے پاس اتنا مغز نہیں ہے کہ تمہاری باتوں کا جواب دے
سکوں" چلی نے بڑا سامنہ بناؤ کر کھا۔ "عشق کرنا ہے تو پہلے یہ مبلوم کرو کہ کوئی اور تو اس میں دیکھی ہیں
لے رہا اور ہاں اُسے بھی تمہاری پرواہ ہے یا نہیں اور تم پچھا کا ماڈانا
بھی جانتے ہو یا نہیں" "کھانا! ہاں میں بالکل سہکل کے اشام میں کام لکھتا ہوں" "گذ۔ تے اپھی خبر ہے کچھ گاؤں سماں ٹراہہ ہاں ہے" "ازتے کا قل ہی ہی، ہی" چلی تھر منیے اداز میں مہسا۔
چلے سناؤ کچھ درنہ اسے کیسے فنا سکوں گے" چلی نے بدعت تمام اسے دیو داں کا گھست بامگ ان بسو مرے من
میں۔" سنایا۔

"یہ دنیا لزی ہے" چنانے کما۔ "کچھ جدید چیزیں یاد کرو" کچھ جدید چیزیں یاد کرو۔

اپنے علاوہ اسی نے ابھی اور کسی نوجوان کو سرفیاض کی کوھٹی میں نہیں دیکھا تھا۔

لیکن اس کی وجہ بھی اسے بعد کو معلوم ہونی۔
شامہ ناک پرستی نہیں بیٹھنے والی تھی اور اگر کوئی شاست کی ماڑی
مکھی بیٹھی باتی محتی تو اسے بے حد پچھانا پڑتا تھا۔ غالباً اس شام ناک
پرستی ہوتی تھی اڑانے کے سلسلے میں ایک لاجاپ قسم کے سینڈنگ لکی رائی
پرنس علی کی ناک تک ہو گئی تھی۔

وہ براہمے ہیں اے گزور رہا تھا کہ اچانک ایک چھٹا ہوا سینڈل
ایں کی تاک پر پڑا اور ساڑھی اس نے شاہدہ کی پیش سنی تھا وہ کتنی
طازہ سیر گھرچ برس رہتی تھی۔ تو کمرے تباشنا دوڑتا ہوا گزرنے شے نکلا
اور علپی کے قریب سے بکل گیا جذnak دلتے کھڑا تھا لہذا دوسرے
سینڈل نے بھی اسی کی عزت اڑائی پر اکفایا۔
سینڈل رہا تھا مختلط سر طرا تھا۔

ایک سینہ دن بیس پیچے پڑھا۔ اگر اس کپٹی پر بھی کوئی ناک ہوتی تو اسے بھی نیکر سے بھجوئے کے انہوں نہیں تحریر سے ادھار ہونا پڑتا۔

چلی ناک بڑیاتے کھڑا رہا اور خون کی بندیں فرش پر ٹیکتی رہیں شامہ انسے یہ سچوں لش دکھی تو اپنے کمرے کا دروازہ ہی بند کر لیا۔ چلی سمجھا کہ شاید وہ حصہ کرداں کی طرف آئے گی۔ کچھ دیر سر سہلا ہے غنی ہو سکتا ہے زخمی ناک پھر کر خود ہی دھونے بیٹھ جاتے اور پھر... مسکھ چلی کے خواب بندہ ہر جانے والے دروازے سے ٹکرا کر چکنا پھر ہو گئے۔

اُس کا دل جا پاک دھاریں مار بار کر روئے یا چہرگانہ شروع کر دے۔

حَرَامٌ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بچتے دالا میں ہوں پھان

لیکن اس کے خلق سے آواز ہی نہ نکل سکی۔

صرف افضل جی خانید آج گھر پر کو جو دنیمیں تھے۔ اس نے اے اے سیلی ورام
واں آنا ڈا۔

چنانی کہانی سنی تو دل کھوں کر ہنسا بھی اور خفا بھی ہوا اور چل کا دل
خاکہ کہا بھی وقت تاگ، ہر خاکے، اسے جا کر بولتے اسے شام سے

عشق سو ایسا اور یہی ناہنجار اب اس طرح من رہا تھا
کہ مسلط ہے تھا؟ اے بیٹھ کن کا

لیکن رندہ ہم وہ میں اس سے بھروسہ نہیں رہوں ۔

”میں تمہیں زندہ رہنے ہی کے گرسکھاڑا ہوں۔ ابھی سیکھ لورنے چاہی کی موت کے بعد پختاون گے“

چلی کچھ نہ بولا ده ایسی ناک سہلانے لگا تھا۔

اب پیرا سورہ ہے اور چھ دن سریاں سے مت ملے، بلکہ می طرح
پیر خرا کو عظیٰ تک پہنچا دو کہ تمہاری ناک میں زبردا ہو گیا ہے۔

بولا "اس سے کیا ہو گا؟" "اس کے دل میں تمہاری محنت اکھڑتا تھا۔ اللہ گلکر، پس جو

لہاس کی دیر سے تمہاری ناک سڑنے کی نوبت آئی ہے۔

”کیا تم پس بخیر رہئے ہیں، چھا؟“ چل نے کوکر آواز میں پوچھا۔
”کہتا ہوں یہ کہ جھوٹ کی عادت نہیں تھے۔“

پلی ایک مفت سیک سر زیاض سے نہیں ملا۔ بیرنے اُسے بتایا تھا کہ ناک کے نزہر باد کی کمائی سرفیاض تک پہنچ گئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ کمائی زیر کی زبانی ان تک پہنچ ہو گئی چنانچہ اس روڑان میں جل جب بھی باہر نکلا اس کی ناک پر تھی ضرور موجود ہوتی۔ یہ بات اس تی عمل نے بھی ہضم کرنی بھتی کہ اس کمائی سے شاہدہ کے دل میں ہمدردی کا قدریہ پیدا ہو سکتا ہے۔

چہ ایک دن شہر من شاہدہ سے مطہر ہوئی گئی، جی ٹی ایک دکان نے محل رکھا۔ اور شاہدہ نے اسی وقت فٹ پاٹھ سے لگا کر کارروائی کی۔ وہ خود اپنی چھوٹی آسٹن ڈرائیور کو تھی زنانیاں اُس سے بھی اس وقت شاپنگ کرنی ہتھی لیکن جل کو دیکھ کر اس نے گاڑی سے اترنے کا راہ ملوٹی کر دیا تھا۔

علی اُسے دیکھ کر بوکھلا گیا اور اس کے دلوں ہاتھ بے تھا شاناں پر حم قریب اسی معلوم ہوتا تھا کہ وہ جیسے دم کی نعمت موجود ہی اُس ناک ہی دبکر بھاگ سکے گا۔

شاہدہ نے اپنے طرف آئی کا شارہ کیا اور اس کی بخواہی کر دی گئی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کی طرف جائے یا بعد سینک سماں میں مریض ڈرتا چلا جائے۔

آخر کار سینک ہی سمائے اور وہ ایک طرف بھاگ بنکھا۔ بڑک سے بھلی میں فروٹیا اور بیرونی طرف کی سرکل پر بکلا ہی تھا کہ بیلی کے کچھ سے تکرا کر پیچ بیج ناک پر آفت توں لے لی۔

بھلی کے بھسے میں بخانے کی وجہ بھی شاہدہ ہی بن چکی، شاید اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ گلی میں گھس کر اسی سڑک پر آتے گا۔

لہذا اس کی کارروائی بھی وہی بھتی گئی کہ

لہذا اب جی دلوں ہاتھوں نے ناک دیا ہے ہونے نے فٹ پاٹھ پر بیٹھ گیا تھا، شاہدہ کارروائی کر یعنی اگر انی اور انہیں بازار پر بکھر کر بولی۔

پرانی پرانی اھٹوں تم بجا گے کیوں اور اداہ پھر تھا اسی ناک سے خون بخنسے لگا ہے۔ اور اسے اس میں تو سیک ہو گیا تھا شاید۔ اھٹو!

میں تھیں اپنیاں سارے چلوں۔

چلی کے سارے جسم پر لزہ طاری ہو گیا آج یہی بارزندگی میں کسی غیر عورت نے جسم کو ہاتھ لگایا تھا۔

وہ اٹھا تو مگر چلتے وقت اس طرح لکھڑا رہا تھا جیسے اپنی بنا طے سے زیادہ پی گیا ہو۔

اسی نے اُسے اگلی گھنی سیٹ پر ٹھایا اور اپنا روماں پیش کر کی سوئی بولی۔

لو۔ یہ روماں لو ایسا یہ تھا روماں نیکافی ہو، خزان بہت نکل جسے

کھجھم میں گیا خون اچلی اُن سوپیا مگر میں ایسی تاشنسل پر کہتا ہوں گا اور اس دھکن کا یہی ہو گا جس نے دل کو رہماںی بہاذ بنا کر ضرکر دیا

کیا۔ پل پڑی اور شاہدہ نے چلی سے پوچھا۔

”تم بجا گے کیوں تھے پرانی“ اس نے کہا۔

”بگت“ بگت پر بکھر کر نہیں، ”کوئی بات نہیں“ وہ ہاپتا ہوا لے لی۔

بیڑہ شاید ذہین غرق ہو جانا۔ اس نے اپنے بھائی کو سمجھا کہ اس کے سنبھالنے میں فرق آیا ہوگا۔ انہوں نے اندر لشی ظاہر کیا تھا کہ کہنل پیٹک نہ ہو جائے۔ ”ارے نے نہیں پیٹک کا اندر تھے نہیں ملتے۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر انہا تھا اور چلنے میں ہو گیا تھا، مگر بھر کر دشواری آپری۔ بھلاخون بند ہو جانے کی صورت میں ڈاکٹر کر لیا پڑی تھی کہ دوہ ناک پر دوبارہ پٹی باندھتا پہلے جو پٹی بندھی ہوئی تھی کھوں کر غلط است کی بالطمی میں ڈال دی گئی تھی۔

چلی نے پٹی کے لئے آصرار کیا۔ ”نہیں جنایں! اب اس کی ضرورت نہیں ہے اور چھر اگر بیرونی چوہٹ ہوتی تو ڈر لینگ میں مضائقہ نہیں تھا، لیکن ایسی صورت میں فضول ہے۔“

چلی اپنی خیالی دُم ہلاتے ہوئے دہاں آیا جہاں شاہدہ اس کی منتظر تھی۔ اس نے چلی کی ناک کا بنتھر حیرت جائزہ لیا، لیکن کچھ بولی نہیں۔ دونوں بھر کار میں آ بیٹھے۔ ”محچے تو نہیں معلوم ہوتا کہ تمہاری ناک میں کچھی زبرد بیا ہوا ہے؟“ تامہ نے کہا۔

”ن۔ نہیں۔“ چلی ہکلایا۔ اس نے سوچا کہ اب جھوٹ بلنے سے کام نہیں چلے گا۔ اسے

”میں مجھے اس دن کے واقعے پر انوس ہنے اس عطا ہے یہ واقعہ ہو یا نہ۔“

چلی نے ناک پر بند ہی ہوئی پیٹک کو سمجھا کہ تیار نہیں تھا کیونکہ شاہدہ تو اسے مبتلا اسے اٹھیاں کی تاشن سمجھتے پر تیار نہیں تھا کیونکہ شاہدہ تو اسے مبتلا لے جا رہی تھی۔ دہاں تینی طور پر بھی کھوں ڈال جاتی پھر کیا ہوتا ہے؟ ڈر لی چلنے کے دل کی دھیر کن اور زیادہ یہ زبرد بکبی۔ پٹی کھلتے پر زبرد والی کمان کا یا بخشنہ ہوتا ہے؟ اس نے بھت کوشش کی کہ کسی طرح مبتلا تک نہ پہنچے پا سے لیکن الفاظ دہن سے چلی میں اتر جاتے اور وہی دم توڑ دیتے ہے باقی تک پہنچنے کی قبولت ہے نہ آتی۔

ہر حال وہ مبتلا تک پہنچ ہی گی۔ اب یہاں تو کسی قسم تکے عذر کی گجاتش ہتی نہیں رہ گئی تھی۔ مگر اس وقت شیخ چلی بے حد خوش ہوا اور دل ہی دل ہی بجد شکر بحال یا جب ڈاکٹر اسے آپرشن ہیستر کی طرف بے چلا اور شاہدہ پھی چلنے پر مضر نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر اسے اپرشن اسٹاف کیا اور چلی نے پہنچ کر سٹاف کرنے کی کوشش کی کہ خون بند کرنے کے لئے جلدی میں پٹی اور بندھوڑی گئی تھی۔

”مگر ان سترہ نے تو کہا تھا کہ پیٹک ہو گیا ہے اور اُسی حالت میں دوبارہ ناک ہی پر چوٹ لگ گئی تھی۔“ ڈاکٹر نے کہا اور چلی بے حد بیکاری کے لئے جلدی میں پٹی اور بندھوڑی کیا گیا۔

”بھی بہاں ہا۔“ چلنے پر جھر شہزاد کو سر بچھا دیا۔
اور جھر شاہدہ اسے چھیرنے لگی۔
چلی کی سمجھ میں نہیں اور تھا کہ احمد عشق کے لئے کون سا طریق اخبار
کرئے پہنچے اس نے اڑھیٹک کے سارے قاعدے کھٹکائے، پھر الجرا
کے جو سرطی رئے لکھن کا پایا بی نہ ہوتی۔
تھی کچھ معدود بگز وہ ان سارے مضامین کا جائزہ لینا صلاگی، جو
آج تک اس نے پڑے تھے آخر سرطی پر دماغ نے چھٹکا کیا۔
”لہذا“ اس نے بے خیالی میں مقعید لکھا لغزو لکھا کیا۔ جھانگیر اپنے
لماں اکیا سلطب ہے۔ شام دیے ساختہ چڑک پڑی۔
”یہ جھانگیر تم انارکلی۔“
”لگھے۔ بی۔ بی۔ بی۔“ بنے ہوئے بے شرم اتر و گاڑی ہے۔
وہ اپنے سے باہر ہو گئی۔

”اے بی۔ بی۔ بی۔“ چلی بکھلا گیا اور اس کے ماخ پر پھول گئے۔
شاہدہ نے گاڑی روک دی تھی۔ اس نے کسی طرح کار کا دروازہ کھولا
اور نیچے اترنے کے لئے مجھ کا سی خاکہ پچھے سے ایک ٹوکری تھی پڑی جس
کی وجہ سے اترنے میں نہ صرف آسانی ہو گئی بلکہ ناک بھی نیسری پاڑ شید
غمزہ کھلاقی اور کارتوں کی جا پہنچتی۔
چلی کے عشق کی ناکامی کی داستان سن کر جاکی سرہمی کی جذبہ زدی۔
اس نے کہا کہ اسے دوب منا چلیئے خا اور پتی بھی بچ دوب مرے
ہی کے امکانات پر گزر کرے رگا۔ ساختہ ہی اس نے یہ محسوس کیا تیز عن
یے حد تفکر نظر آئے رگا۔

سب کچھ کہ دینا چاہیتے۔ اندادہ بچ لوئے اسکے سلسلے میں اور زیادہ
بھکلانے لگا۔
پوری بات سن کر شاہدہ بڑے دلاؤز انداز میں مسکرائی اور بولی۔
”تو آخر ایک غلط بات مشہور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“
چلی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی اُسے اس سے بید خفت
معلوم ہونے لگا ہے، اس نے لئے وہ علالت کا بہانہ کر کے روز اتر کی حافظی
سے باز رستا چاہتا تھا۔
”ڈیڈی میں بے حد یاد کرتے ہیں جو“ شاہدہ جسے کلام اتنے لمبادر
ہو کر شیرول کو لکھا کر کر آن کا شکار کرتے ہو، پھر اتنے در پوک نیوں
ثابت ہوڑھے ہوئے۔ ”دنیا میں آپ نکے علاوہ کسی سے ڈر نہیں معلوم ہوتا۔“ چلی نے
خشما کر کہا۔
”آخر خیلوں؟“
”پتہ نہیں کیوں؟ وہ دیکھتے بات یہ ہے۔ وہ چاند جو ہے تا
میں گھٹکوں اس بستے آپ کی بائیں کیا کرتا ہوں؟“
”چاند!“ شاہدہ نے جھرتے نے کہا۔ میں نہیں جانتی یہ چاند
کون ہے؟“
”چاند!“ اے آپ چاند نہیں جانتیں۔ فی معنی کہ مون ایم
ڈبل او این۔ مون۔“
”تم چاند سے میری باتیں کرتے ہوئے“ شاہدہ کے لمحے میں نیست
اب بھی باقی تھی۔

اس رات جانہ بھی نہ سکلا تھا کہ جلی اسی سے شکوئے کرتا۔ اس لئے وہ تار دل کو گن گن کر بھی ڈھائی سے ضرب دیتا اور کبھی سراپا بخ سے۔ لیکن اس شغل کے باہم بھی اسے پسند آتی تھی اور وہ ہی بھر کے سویا اور دوسری صبح اٹھ کر اپنے سر پر پانچ بڑتے جائے کیونکہ یہ حرکت غافقاً رہ دیا تھا کہ خلاف تھی۔ بھلا عشق میں نامامی کے بعد نیند کا کیا کام؟ وہ کبھی دلوں میں بڑی شدت سے بور ہوتا رہا۔

آن جانے کیوں رسیں الجن نے بھی اب اس سے بے انتہا برتنی شروع کر دی تھی۔ اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آسکی۔ اس بنے پوچھا بھی لیکن جواب نہ ملا۔ حاموشی کا انداز خفیتی ہی کا ساتھا۔

”اے چاہا! یہ کیا صیحت ہے۔۔۔ تم بھی خفا ہو۔۔۔ پھر کیا۔۔۔ میں خود کشی کروں؟“ چلی نے روہانی آواز میں پوچھا۔

”تمہارے لئے یہی مناسب ہے۔“ رسیں نے سرد بخہ میں جواب دیا۔

”آئُ گر کرن بات بھی ہر خفیتی کی درجہ بھی تو بتاو۔۔۔“

”پچھا نہیں۔۔۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی تھی، تم سولویں صدی کے شیخ چلی سے مختلف نہیں ہو۔۔۔ میں سمجھا تھا کہ میں ہے میسویں صدی کے نے تمہاری گھوڑی کے گل پر رے درست کر دیتے ہوں، لیکن مجھے لے جانا یوسی ہوتی۔۔۔“

”منگر تمہیں نایا سی کیوں ہوتی ہے عشق تو میں نے کیا تھا۔۔۔“

”چلے! بچا اس سجدہ کرو۔۔۔ درز میں تمہیں اٹھا کر باہر چنگیک دوں گا۔۔۔“

میں تمہیں صرف پسند رہ دیں کی اور مملکت دیتا ہوں، اس دیکھے بعد بھی اگر تم اسے اپنے عشق میں گرفناز کر سکے تو میر تمہیں اس شہر کی سڑکوں پر ہٹوکیں کھاتا ہوا دیکھوں گا۔۔۔“

”آخر کیوں؟“

”کچھ نہیں۔۔۔ رسیں نے کہا اور کمرے نے نیکل گیا۔۔۔ چلی کی کھوڑی گردش کرنے لگی جب کچھ سمجھنے نہ آیا تو اس نے دلوں لاٹھوں سے لیکھ تھام کر گانا شروع کر دیا۔۔۔ اسے اسی طرح میرے دل میں لگی بے چوٹ زکرنا کھوٹ دیا۔۔۔“

”دو ایک دن اور گزرے۔۔۔ اب اس کی حالت بہت غیر ہوتی جا رہی تھی۔۔۔“

وہ بازار کی طرف نکل جانا اور گھنٹوں اس بھلی کے کھیسے نے پیٹا کھکھڑا رہتا۔۔۔ اس سے ٹھکر اکر دوسری راز بیسی پھٹوں تھی۔۔۔

چھر ایک دن ایسا ہوا کہ شاہدہ نے تھیک اسی کھیسے سے لگا کر اپنی کارروائی اور چلی بے تشاشا بھڑک گیا۔۔۔

”ھٹھو!“ شاہدہ نے اسے لکھا اور رسیں نے اس کے پریکر پر لے دی۔ درز رہ بھر دیا۔۔۔ سے ندو گیا۔۔۔ یہو گیا ہوتا۔۔۔

شاہدہ بیچھے اتر آئی۔۔۔ اس کی آنھیں غصتے سے سڑخ ہو رہی تھیں۔۔۔

”جیو بیکھو!“ اس نے دیانت پیں کر کار کی طرف اشارہ کیا۔۔۔

نہیں دیکھ سکتی... خدا کے لئے چُپ رہوں : ورنہ میرا ہمارے فیل
اڑ جائے گا۔ چُپ رہوں پسیز پرنس جلی اور اتوں اتحوں سے ناک دیا تے
ویراب اب چُب بھی رہو۔

اب تو چلتی کے پچکیاں لگ گئیں "ڈیز" نے جلتی پر میں کام کیا۔
اکثر عشق اس زور سے بھڑکی کر جلتے دیش بورڈ سے سڑک را دیا۔
اڑ کے غواک کے لئے بیٹی بھی کرو۔ ادھر دیکھو، خاموش رہو۔
میں اب نہیں کچھ نہیں کہوں گی۔

"تھیں بھجے کامیاب دیجئے۔ بھجے جوتے سے ماریئے
میں اسی قابل ہوں۔ اگر میری دبھ سے آپ کی بدنای ہوئی
ہے۔ تو میں دریا میں جھلانگ لگا دوں گا۔" نظر
بی لوں گا۔

"نہیں۔ بھرگز نہیں۔ چھپر کہتی ہو گا۔"

"یکوں؟" علی سکا بکارہ گیا۔
لبس کیا بتاؤں۔ شاہدہ نے ٹھنڈی سالس لے کر کہا۔

"پتھر نہیں وہ لیسی ساعت ہی۔ جب میرا سینڈل تمہاری
ناک پر پڑا تھا۔ ایہ بس نہ۔ اسی وقت سے

بھٹکھی۔ اس نے کارروک دی اور دبپے کا انجیل اٹکلی میں اپنے لگی۔
تبت چلی کی سمجھ میں آیا کہ اس نے شرمنانے کی کوشش کرنے کے لئے

کارروکی ہے۔ بھٹکھی۔ دہ اسی طرح انگلی پر انجیل پڑھی ہوئی بوائی۔

"چلو۔" اس نے آنکھیں نکالیں اور چلتی دوں اتحوں سے ناک دیا تے
ہوتے کار میں جا بیٹھا۔

کار میں پڑی۔ چلتی بڑی طرح ہانپ رہا تھا۔
"تم مجھے بندام کرتے پھر ہے ہو؟" شاہدہ عران۔

چلتی ہے بھی کچھ کہنا چاہا، لیکن آزاد جلتی میں بھنس کر رہ گئی۔ دیسے
اس کے دوں ہاتھ ناک ہی پر تھے۔

شاہدہ کہتی رہی۔
میں نہیں سمجھ سکی کہ تمیں اس کی حراثت کیسے ہوئی۔ کام جیں تمام
لڑکیوں تک یہ بات کس نے پہنچائی ہے۔ تم کو سن الا کے پٹھنے نے کہا
و تھا کہ مجھ سے عشق شروع کر دو۔"

"اب میں نہ سرپی لوں گا؟" چلی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
لیکن میرے فرشتوں کو بھی فخر نہیں ہے کہ آپ کے کام جیں یہ
بات کس نے پہنچائی ہے۔ میں تو صرف چاند سے آپ کی تائین کرتا ہوں۔
جب چاند نہیں ہوتا تو ٹھٹھٹ گھٹ کر رہ جاتا ہوں۔

"تمیں بھٹکھے عشق ہو گیا ہے کیوں؟" بھر اس نے سچ بخ
میں کیا کروں کو شپش کر کے نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیسے خود بخود
ہو گیا ہے۔ چلی نے روذینے والی آواز میں کما اور بھر اس نے سچ بخ
رونا شروع کر دیا۔
"ارے... ارے... ہائیں۔" تم نے رونا کیوں شروع
کر دیا خاموش رہو۔ دیکھو۔ میں مردوں کی آنکھوں میں آنسو

لے بھروسے اب بھی مم :: :: بھروسے اب بھی مم :: :: بھروسے اب بھی مم :: ::
با۔ بھروسے اپنا پھرہ دلوں ہاتھوں سے چھا
لیا۔

محظوظی دیر بعد کمار ایک ایسی مرکزی جگہ ہی تھی جس کے
دلوں طرف شاہ بلوط کے اوپرے اونچے درخت تھے اور اپنی سوتھ
برہا تھا کہ کاش اس کے پر داؤ مداری شاہ کے بھی کچھ درخت ہوتے
دغتائا شاہ نے کانا شنیوں کر دیا۔

امتحان ۱۷ ہنول ز جانا پینا۔ سینزی میں آما پیا۔

لے اور عقلی نے بھی طریق کر طیکڑا لکھا۔

سینون کی رانی سیری، تیرا لحلونا سیا۔
کار کے اوپر دو کبوتر اپنی چونچیں ملاتے ہوئے اڑ رہے تھے اور رہ
قریب ہی ایک پڑواہا ایک چینس کی پیٹھ پر اکھڑوں بیٹھا منسری سجا
رہا تھا۔ چرکار ایک پھٹے کے کنارے ورک قمی۔ اور دلوں کار سے اُڑ
کر پانی میں اپنی پرچھائیں دیکھنے لگے۔

اپھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سکا۔

اس اچانک میل نے سوچا کر لگے ہاتھوں عمدہ پیام بھی ہو جایت اور بھرہ ہے۔
یکون بخچتے کا نارہ بھی ہے۔ موسم بھی سہا نہ ہے اور دوکتوڑا ایک درخت
پر بیٹھے ہوئے چونچیں بھی ملا رہتے ہیں۔ بن علی نے کہا کہ خواہ سورج
مشتری کی سجائے مغرب سے لیوں تک طروع ہوئے اگر بندھی کے کھیت
میں کڈ و کیوں نہ اُن گنے لگیں لیکن وہ بکھی ایک دوسرے سے چدا نہ ہوئے۔
شاہزادہ نے فواہی اسے بیک ہیں۔

والپی پر دلوں نے ایک ڈوٹ شروع کیا جس کے بول تھے
غیر۔ بچھرے ہوتے ملے میں پھر۔

چل کی امداد رفت پھر کوئی میں متروع ہو چکی تھی
شطرنج کی نازیاں سباب پر یعنی اور اب شاہدہ بھی شطرنج میں
بیچھوڑ پسی لیتے گئی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا ہے تھر فاصل کو اس
کے اس روایت پر بے حد حیرت ہو۔

ویسے وہ اس وقت بہت زیادہ خوش نظر آنے لگتے تھے جب وہ
بھی وہیں آگئے بیٹھ جاتی اور کھل کے دوران میں دلوں کو مشعر دیکھتی۔
بات دراصل یہ تھی کہ شاہدہ بے حد پھر پڑی اور خصہ در واقع ہوئی
تھی اس نے اعزہ و اقربا میں سے کسی وجہ ان کی بہت ات تک نہیں
پڑی تھی کہ اس کے لئے امیدواری کا خواہ مشتمل ہونا۔ وہ دیکھی کہی
کے اگے گھاس ہیں دالی تھی۔ اس نے سریاں کا اس کے مستقبل
کے لئے مشوش ہونا صدری تھا۔ سحر جب انہوں نے ہوسس کیا کہ
وہ پرانی چلی پر دیز کے آگے گھاس ڈالنا کیا، کھلیاں ہوں گے پھر کارہی
ہے تو انہیں بچھتی ہوئی تھیں۔
اوھر علی کر بھی ایسا لکھا کہ وہ اسے فرزندی میں لے ہیں نہ کہ مگر
بے چارہ اس دشستی کو کیا کرتا جس کے یہاں بھی بیکھا نہیں چھوڑا۔
پتہ نہیں کیسے سریاں گذاں کے افضل حالات کا علم ہو گیا یعنی
اس کا بات اسے عان اور خود اور است رکھ کا ہے اور ان بھروتے کی
کوئی صورت بنائی نہیں رہی یعنی اس کے بات کی جانیداد پر کچھ۔

سو تیسے قسم کے سفراز بھی دامت لگا کر بیٹھے تھے اور شاید ہر رہر انہیں کی ذات سے پھیلا تھا۔ سرنیاضن نے شابدہ کی موجودگی ہی میں اس کا تذکرہ چھپتے ہوئے کہا۔ ”تم نے آخراں بہک تجھے کیوں تاریکی میں رکھا تھا؟“ ”میں نے آپ سے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ میں دولت میں کھلدا ہوں، یا میں نے بھی اپنی امارت کے ذکرے چھپتے تھے جو چلی نے برا مان کر کہا۔

”چھپ رہی تھیں اپنے حالات سے آگاہ کرنا چاہیے تھا۔“ ”کیوں کرتا؟“ ”سو صاحبزادے بمحض نافران قسم کی اولادوں سے بری نفرت کرتے۔ اس نے آندہ نہیں اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ نہیں دیکھیں گے۔“ جلی نے غصے لجھے میں آما اور اظہر کہ چلا آیا۔ وہ جاساتا خاکہ شابدہ اس کے لئے بہوان چھاڑی سے سماں یہی کی سب سے اونچی جوں پر حلباں لگا سکتی ہے۔ وہ ہمایت الہیان سے رحمت ہوا۔

تب شابدہ نے اپنی کالی ساری نکالی اور کالا بلا فر نکالا اور انہیں پکن کر اکب درد بھری۔ غزل گائی۔

”دنیا والوں کی یادوں میں طرکے سخواچھوڑ کرے
بحمد حبیک بھی ہیں لیتے ہائے قریب اچھوڑ کرے
غزل ختم کر کے اُس نے اس سلوپ تجھے اور سہری پرستی ہی سوکتی۔“

”مگر وہ کیا کہتی ہے جلتے؟“ تیس الحسن نے جلتی سے پوچھا۔ ”وہ تو کہتی ہے کہ میں تمارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔ تمارے لئے سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔ دو چار فاتحے بھی کرنے پڑے تو پرواہ نہ کروں گی۔“ ”امان تو تھیک سے م اسے کسی طرح تے آؤ۔ میں لکھاں پڑھوادوں گا۔“ ”او۔ او۔ او۔“ چھاہر کش میں ہو یا نہیں سرنیاضن نے اٹھے لاگر ذات میں نابالغ شابت کر دیا تو کیا ہو گا؟“ ”اے لیں۔“ چھاہر لگا کر بولا۔

”سر بیٹا! سیر انام تیس الحسن ہے، میں کھن کوں ایسی بات نہیں کہتا۔ جو ہمیرے لئے نامنکن ہو، وہ لاکھ برس جی بیداری میں جاتے اُسے نابالغ نہیں کر سکتے گا، کیونکہ ابھی حائل ہیں۔ میں اس کے سِن بلوغ کو پہنچنے کا تینضلع عدالت ہی کر جکی ہے۔“

شہزادہ گھنٹے کے اندر اندر زکارخ ہو گیا۔ سر فیاض کو اعلان میں تو انہوں نے سر پیٹ لیا۔ اعلان کسی نے فون پر بڑی بھی۔ وہ بتاتے ہوتے پتے پر پولیس لے کر پہنچے، لیکن آسمان اس کا نکاح میں معمولیں میں اپنکر جزیل آٹ پولیس بھی تھے۔ کچھ اور بڑے آفسر بھی تھے اور چلی سورج رہا تھا کہ کیا یہ مہر زدہ مہمان آسمان سے پٹکے ہیں۔ مسکر رئیس الحسن کا کہیں پہنچا۔

بہر حال سر فیاض کو منہ کی کھانی پڑی۔ آفسر نے سمجھا کہ وہ معلمے کو طول نہ دیں تو بہتر ہے کیونکہ اس میں انہی کی بد نامی ہو گی۔ فُنساکی کوئی فرالٹ اس شادی کو غیر قانونی قرار نہیں دے سکتی کیونکہ شاہدہ بانج بھی اور یہ شادی اس کی پرمنی سے ہوئی بھی۔

بات سر فیاض کی سمجھیں آگئی اور وہ چپ چاپ ان دلوں کو گھر لے آئے۔ اُن آفسروں سے استدعا کی بھی۔ یہ بات چھلنے شروع ہے۔

دوسرے دن فیاض نے باقاعدہ طور پر اعلان کر کے شاہدہ کا راتھ چلی نکے ماخ میں دشے دیا۔

چلی دم بخود تھا اس کی سمجھیں نہیں آر راتھ کے رئیس الحسن نے یہ سب کیوں کر ڈالا۔ قیصر نے دن رئیس الحسن نے اُسے فون پر مبارکباد دی اور چلی نے کچکپانی ہوئی آوازیں لہنا۔

”چلا! اب تو خدا کے لئے بتا دو درست میربے دماغی رُلیں بھیٹ جائیں گی۔“

”وہ کیسے؟“

شاہدہ سرفیاض کی پہلی بیوی کی لڑکی ہے، وہ بھی صاحب جاستاد تھی۔ لیکن مرتے وقت اپنی جاستاد شاہدہ کے نام منتقل کرنے کے اس کے انتظامات اپنے ایک جھاتی کے پروردگر تھی۔ وصیت کے مطابق جاستاد پر شاہدہ کو کلی اختیارات بالغ ہو جانے پر ہی حاصل ہو سکتے تھے الہا ابھی حال ہی میں سرفیاض نے وہ جاستاد شاہدہ کے ماموں کے قبضے سے نکالی ہے۔ اس کے لئے عدالتی کارروائی تحریکی پڑی تھی۔

”ست روہ مارا“

چلی چنکی سمجھا کر اچھل پڑا۔ تھوڑی دیر تک پچھے سوچتا رہا یہ لولا۔

”مسکر چایا بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شاہدہ کے کام بخوبی تینک یہ قصہ کیسے پہنچا تھا۔“

”رئیس الحسن مسکر اکر لولا۔“

ذلت ”چلا جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے“

”تم نے . . . تو تم نے . . . مسکر گیوں؟“

”بھتیری ایسی باتیں ہیں جو ابھی تھاڑی سمجھ میں نہیں آئیں، اس کا دشمنار بھی انہیں نہیں کر سکے خاموش ہو جاؤ، کیا سمجھے؟“

چلی خاموش ہو گیا دوہ اہل سلسلے میں کچھ سوچنا ہی نہیں جاہتا تھا، اس کے سر پر تو عشق کا جھوت سوار تھا۔

”دوسرے دن چلی ہر سطل سے ایک چھوٹے سے بندگی میں مغل ہو گیا بلکہ رئیس الحسن نے کہا یہ پرہیزا کیا تھا۔ چلی نے دویں سے شاہدہ کو فون کیا رہ بچل آتی شادی پہنچنے ہی پچھے ہو گی تھی۔“

”خدارت خلت میرا نصیبِ العین ہے۔“ تریس الحسن نے دوسری طرف سے کہا۔

”میں نے دیکھا کہ اب تمہاری زندگی برباد ہو جائے گی کیونکہ ایک بالدار بات تمہیں عاق کر چکا ہے لہذا میں سننے تمہارے لئے دوسرے مال ادا رکاب پ کا استغفار کر دیا۔ سرفیاض لاکھوں تکے آدمی میں اور ان تکے بعد ساری جاپیداد شاہد ہی کی ہوگی کیونکہ دوسری یوں سے بھی ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔“

”کچھ بھی نہیں۔ خدارت خلت کرنے والوں کو اپنے فائدے اور نقصان کی پرواہ کیتی ہوتی ہے اچھا و سیکھو۔“ آج شام کو فریز دنگ ناتست کلب میں ضرور ملو سرفیاض ہی کی میز پر ملنا۔ وہ آج کل نیادہ تر دیں غم غلط کرتے ہیں مگر تمہا ہوتے ہیں لہذا آج ان کے ساتھ ایک آدھ باربی شطرنج کی ضرور ہوئی چاہتے۔ دیکھو بخوبی دارتمہارا فرض ہے کہ ان کا ہر طرح خیال رکھو۔“

”آج میں نہ آسکوں گا یہ بوشادہ ہے تا، وہ کہتی ہے کہ کسی وقت میری نظر دن سے او جھل نہ ہوا کرد۔ چنان خدا کی قسم اُنسے اب اور نیادہ عشق ہو گیا ہے جو سے۔“

”ٹھیک ہے بھتیے لیکن یہ میرا حکم ہے کہ آج مجھے دہان سرفیاض کی میز پر موجود بلوار نعم جانتے ہی ہو مجھے تمہیں فرما دو محضوں ہی کی طرح عین دین پڑے گی۔“

”آخر سیوں ڈ۔“

”بس یعنی لیکن اس سے بھی کافی کھو کر اس کو جب پس وہاں آؤں تو تم یہ نہ ظاہر ہونے دینا کہ مجھے پہنچ سے جانتے ہو۔“

”اوچا کے پہنچے میں پاکل ہو جاؤں کا۔“

”نہیں بیٹھے تم عیشِ خود کے اور جا تو زندگی بھر یو تھی دلکھ کھاتا ہے گا۔“

”اچھا خیر یہی بتا دو کہم نے اتنے بہت سارے آفسر کمان سے جمع کر لئے تھے؟“

”بھتی انہیں وزیر داخلہ کی طرف سے تمہاری شادی کے دعوت نامے لئے تھے۔“

”وہ کیسے؟“

”اچھا کی طاقت۔ وزیر داخلہ میرا بہت خیال کرتے ہیں کیونکہ انہیں محض میری کو شہشوں کی بنائی پر ایکشن میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اگر میں ان کی مدد ہے کرتا تو ان کے مقابلے میں جو ازاد امیدوار کھڑا ہے اس کا انہیں چاروں خانے پخت کر دیتا۔“

”آخر تم ہو کیا بلا چجا۔“

”چجا، جلت چجا۔ میں ہر خورد و کلان کا چا ہوں۔“

تریس الحسن نے دوسری طرف سے سلسہ منقطع کر دیا۔

علیٰ مجبور تھا کہ اس کے حکم کی تعیین کرتا، نکرتا تو سایہ جہنم میں پیغام جانتا۔ وہ شامہ سے بھی ترسی طرح یچھا چھڑا کر فریز دنگ پہنچ گیا۔

سرفیاض اپنی میز پر تھا تھے، علیٰ کو دیکھ کر انہوں نے پرا سامنہ نیا۔

”یکوں اکیا بات ہے؟“ انہوں نے پیشانی پر مل ڈال کر پوچھا۔

"اودہ بڑی طریقے سے بھی نہیں آتا کہ میری طرف سے آپ کا دل کیسے صاف ہوئے؟"

"چلو۔ ٹھیک ہے۔ جاؤ۔ ب۔ مجھے اوزر زیادہ پریشان نہ کرو، اگر شاہدہ مجھے پہلے ہی بتا دیتی تو اس کی نوبت ہی نہ آتی پاتی۔"

میں کچھ کہنے سے والا تھا کہ اُسے بائیں جانب کسی کے رکنے کا احساس ہوا۔ وہ چونہ کہڑا، آنے والا چاہتا اور اس کی آنکھوں میں ان دلنوں کے لئے خاتم ہوتی۔

"کیوں؟ سرفیاض۔ ب۔ یہ کون ہے؟" اس نے آنکھوں سے چل کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" سرفیاض کا لب بھی غصیلا تھا۔

"ایک الیارڈ کا۔" رینے نے زبرہ خند کے ساتھ کہا جس کے باہم نہ اسے نالائقوں کی بنیا پر عاق تکری دیا ہے۔ یہ کوڑتی کوڑتی کا محتاج ہے؟

"تم سے مطلب ادفعہ ہو جاؤ۔ یہاں سے بخینے۔ ب۔ جستے" سرفیاض ہاتھ پلاکر چھنے۔

لوگ ادھر ادھر سے دور پڑے، سرفیاض کھڑے ہوئے پاگلوں کی طرح پیچھے رہے تھے۔

"ہاؤ اسے یہاں سے لے جاؤ۔ ب۔ لے جاؤ۔" اسے سمجھا۔

"ریسیں الحسن ایک طویل قدمی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ سرفیاض کو چلنے کے بروتی میں اسے اپنے ٹھا دیا، وہ اب خاموش ہو گئے تھے، لیکن ان کا جسم بڑی طرح کانپ رہا تھا۔

چلنے سے ان لوگوں کے ہتھ جلانے کی درخواست تھی، جو سرفیاض کے

بھینے پر میز کے قریب اکٹھے ہو گئے تھے۔

"مجھے۔ گھر لے چلو۔" سرفیاض میں مردہ سی آواز میں بولے۔ مجھ پر ہمارٹ ایک ہوتے والا ہے۔ اسے ہاں کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو؟"

میں دیدی اودہ کوں تھا؟ جس نے آب کو اس قدر پریشان کیا۔ اگر اس سے نتقات ہوتی تویں اسے تبلی ہی کر دوں گا۔ سرفیاض کچھ نہیں بولے، پھلی نے بھی نزید استفسار نہیں کیا، وہ انہیں سہارا دے کر صدر دروازے کی طرف لے جا رہا تھا۔

میں دوسری شام چلی نے پھر فون پر ریسیں الحسن کی کمال رسیو کی اس نے اس کو اسی بیکھری میں طلب کیا تھا، جہاں اس کا نکاح ہوا تھا۔ چلی کو بھی رات نہیں آئی تھی۔ وہ یہی سوچا رہ گیا تھا کہ آخر فریز و نگ والی حرکت کا کیا طلب ہے، سرفیاض چاکی باتوں پر پالی کیوں ہو گئے کہیں؟ اس نے سوچا میکن ہو ریسیں الحسن نے اسی مسئلے پر روشی دالتے کے لئے اسے بلا یا ہو۔ وہ شاہدہ کو جانسہ دے کر کوئی نہ نسل کیا۔

چھا اس بیکھری میں نہماں نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک بول صورت سورت بھی تھی اور دلنوں شراب پی رہے تھے۔

"او۔ ادو پیارے بھیجیے۔" وہ جھوٹا ہوا بولا۔ بحرافہ تمہاری پیچھی بننا چاہتی ہے۔

صورت آنکھیں پیچ کر کھنکنا ہوئی اور اس میں نہیں، لیکن کچھ بولی نہیں اچلیں اُسے آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر دیجھا رہا۔ اس نے سرفیاض کے ڈھنگا دلنا کا بڑا طرح کانپ رہا تھا۔

شعر چھاٹ

نیند اُس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے شانوں پر تری زلفیں پریشان ہو گئیں،
اے... بکھار اس بند کرو!... بچھے فرفتے ہے... شعرو شاعری اے!
چھاد انت پیس کر لولا، وہ بھی بہت ریادہ نشیں معلوم ہوتا تھا
مگر عورت نے چھروہی شعر فرہرایا اور چھاپنے سے باخ مار کر چھاپا۔
ظھوڑی دیر خاموش شرہواں

عورت نے دلوں ہاتھوں سے اپنانہ دیا۔
ای لوگ خراب گاہ میں تھے۔ حق کا دم لٹکنے لگا۔ شراب کی کوئی اس کا دماغ
بچاڑے دنے رہی ہتھی۔

”ماں بیٹے چھے۔“ چھا بھومتا ہوا لالا۔ ایں نے تم پر کوئی الحسان نہیں
لیا بلکہ اپنے نیبے میں بھڑکتی ہوتی اسکی بھنا ہے۔
”کی مطلب ہے؟“

”یہ شاہد بچکنے میں مجھ سے منسوب ہوتی تھی۔“
”اے بابا بابا!“ چلی نے دلوں ہاتھوں سے کیجوں دیا۔
”ابے راکیوں جائیے۔“ چھا اس کے شانے پر اخ مار کر ہنسا۔ ”تجھے
چھینوں گا نہیں۔“

عورت نے چھروہی شعر چھاٹ
”اوہ بابا!“ میں تھیں دفن کر دلوں کا، ورنہ خاموش رہو۔“
عورت آنکھیں بھینچ کر مہسی اور چھر خاموش ہو کر جھوٹنے مگر جھانے
چلی نے کیا۔

”لیکن جب مجھے سیرتے ہاپ نے عاق کر دیا تو سر فیاض میں یہ نبشت جھیلخ
کھو دی۔ میں نے احتجاج کیا، جس کا جواب یہ تھا کہ شادیہ حسی لڑکی کسی نالاں افرز
کوڑی کوڑی کے محتاجِ رڑکے کے لئے نہیں ہے۔“ ہماہا۔ ”سر فیاض تم
اوکے ہے ہو۔ یہ دیکھو، یہ لڑکا بھی نالائق ہے اور کوڑی کوڑی کا محتاج ہے
۔۔۔ چلے نہ زندہ۔“ جب تینوں تمہارتے ہاپ نے عاق کا تحا۔۔۔ ہماہا۔۔۔
سر دیاں۔۔۔ ہماہا۔۔۔ یعنیت ہے تم پر۔۔۔ اگر اب مجھے متہ دکھانے کے لئے
زندہ رہو۔۔۔“

عورت نے چھر ہاتک لگاتی ہے۔۔۔
”ای ماس!“ نیند اُس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے شانے پر تری زلفیں پریشان ہو گئیں،
اے تھیں خدا غارت کرے۔۔۔
چھانے اپنے دوفوں کا ذوں میں انگلیاں بھوٹنیں ہیں۔
عورت ایک تھقہہ لگا کر خاموش ہو گئی۔۔۔ امید کر کر
”مگر شاہدہ کو تم سے محبت تو نہیں تھی۔۔۔“ چلی نے کہا۔۔۔
”بزرگی ہو گی۔۔۔“ چھا لاپرواہی سے بولتا۔۔۔
مجھے بھی نہیں تھی، لیکن سیری خدا ہم تھی کہ اس سے بشارتی ہو جاتی۔۔۔
”اچھا! اب یہ تصریح کر دو۔۔۔“ چلی ہاتھ اٹھا کر بولا۔۔۔
”اب میرے لئے کیا حکم ہے کوئی ہی میں زہوں، میا ہو سیل چلا
آؤں جب۔۔۔“ اسکے بعد اس کے دل کے لئے اس کے دل کے لئے
اب ہو سیل میں آکر کیا کرو گے۔ مزے کرو۔ راوی عیش ہی علیش
لکھتا ہے۔۔۔

نہیں ورنہ میں تمہیں قتل کر کے بھیں دفن کر دوں گا۔ چھا کا لہجہ خدا کا تھا۔
عورت بوجہت زیادہ نشے میں تھی اب غافل ہو گئی تھی اس لئے اُسے
چھت سے اُٹی لٹکانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔
پھر چھا نے پنگ اُس کے نیچے کھنچ لیا اور اُس پر اس طرح لیٹ گیا کہ
اس کی لٹکتی ہوئی زلیں اس کے شانوں پر بھر گئیں۔
تب اُس نے پیروں سے سینے ہمک چادر چینچتے ہوتے بھرا تی ہوئی
آواز میں شعر پڑھا۔

فیند اُس کی ہے دماغ اس کا ہے رائیں اس کی ہیں
جس کے شانے پر ترمی زلیں پریشان ہو گئیں
اور بھرپوری کو لکھا رہا۔
”دھماں چھلے اخراج اعز۔“ رلیں پریشان ہو گئیں۔
چلی سر پر پیڑ کھڑ دیاں میں جھاگا۔
میونک چھا نے شعر نہیں اٹا تھا بلکہ شروع سے اب تک کے عشقیہ اور
حسنی لڑکی پر کوم غائبانہ دیا تھا۔

اگر ارب بھی کوئی داؤ نہیں باقی ہو تو خدا کے سلے مجھے اُبھی سے بتا دوں لیکن
چھا میں شاہزادہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“
”آہا ماہا ماہا؟“ چھا نے چھت شکاف قومہ کا کہا۔
”ابے چلے کیا میں تجھ سے چھین لوں گا اُسے یہ خیال دل سے لٹکاں
وے۔“ شاہزادہ تیری ہے اور ہمیشہ تیری ہی رہے گی۔“
عورت شاید بور کرنے پر تملی بیٹھی ہی۔ اس نے پھر وہی شعر پڑھا دیا
اور چھا ٹھٹھا ہوا چلی سے بولا۔

”ذری پائیخ منڈ کے لئے میرے سا بھٹا آؤ۔“
چلی ایٹھے کہ اس کے شاہزادہ باہر لان میں آیا۔ یہاں چھا نے ایک جانش
چھاریوں میں باختہ دال کر ایک بڑا سارستہ نکالا اور علیٰ کو اپنے پیچے آنے کا اتنا
کر کے پھر عمارت میں گھس گیا۔ اب عورت باقاعدہ طور پر وہی شعر گھنٹا نے
لگی تھی۔

دنعتاً چھا اُس پر ٹوٹ پڑا دراُس سے بولنے کی بھی ملت نہ دیتی وہ نہ سے
ہی لمحے میں وہ کمرنے کے فرش پر بھی اور چھا اُس کے باختہ پریاں باندھا رہا تھا۔
عورت اس طرح ہنس رہی ہی۔ جیسے اس کے شاہزادہ کوئی بہت دلچسپ
تمیں کامناں کیا جا رہا ہو۔

”یہ کیا کر رہے ہو چاہا؟“ چلی اُنے کو کھلا کر پوچھا۔
”یہ میں اسے شعر کا مطلب سمجھا تو انگاہا تم فکر کر دو۔“
”کس کدھر کو آج کل فکر کرنے کا ہوش ہے؟“ چلی نے پانچتھی مرتے
کہا۔

”اب اسے چھت سے لٹکانے میں میری مدد کرو۔“ اسے چھٹھا دیا۔

شادہ بہت جلد بور ہو گئی تھی۔ دس پندرہ دن بعد ہی سے اُسے عورت
ہونے لگا تھا جیسے جل معمولی سے بھی کترین قسم کا آدی ہو۔ یعنی چھینکنا بھی تھا،
اور چھینک آنے سے پہلے طرح طرح کے منہ بھی بنانا تھا اور چھینک کے اعتام
پر کچھ اس طرح بکھلا کر الحمد للہ کتا تھا کہ اگر نہ تو کوئی جھپڑ رسید کر دے گا۔
ایک دن بے حد آتا کہ شادہ نے پوچھا۔ یہ تم نے کائی جانا کہوں
چھپڑ دیا ہے؟

”اب کائی جا کر کیا کروں گا۔“

”کیوں اب کیوں نہ جاؤ گے؟“

”شادی تو ہو گئی۔“

”اچھا تو پھر؟“

”اب پڑھنکہ کر کیا کروں گا؟“

”دماغ تو نہیں چل گیا، کیسی باتیں کر رہے ہو؟“

”میں کیا جانال، والدہ صاحبہ بچپن میں کہا کرتی تھیں اُرے کم سخت پڑھنا۔“

نہیں تو شادی کیسے ہو گئی۔ اب ہو گئی ناداندا اب پڑھنے کھٹے کھٹے کیا فائدہ؟
”اول درجے کے بیک ورڈ لوگ معلوم ہوتے ہو۔“ شادہ یہ سی چڑھا کار
بولی۔ ”خواہ مخواہ پرنس مشور کر کھاتھا پس آپ کو۔“
”کنوئیں کی مینڈک ہو قم“ جل جھنچھلا کر بولا۔ میں نے تو ایسے پرنس
دیکھے ہیں جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے اور بھاگ رہے بنگیزوں کے علاوہ اور
کچھ بھی نہیں ضمیر سکتے۔“
”نشول باتیں مت کرو۔ دلیلی کہہ رہے ہیں کہ اب تمہیں کائی جانا چاہیتے؟“
”دلیلی کو کیا پڑھتا ہاں نامحرم روکیاں مجھے کس طرح گھوڑا سمجھی ہیں۔ جل
نے شرما کر لیا اور شامہ اسے چرت سے دیکھنے لگی۔
”تو پھر تم نے دہاں داخل کیوں لیا تھا؟“ اُس نے بالآخر پوچھا۔
”میں کیا کرتا اب احمدور جان کو آگئے تھے۔ لئے گئے تھے مسکون اور جو تھے صدر
پر حصی پڑے گی چلتے ہم جماعت پڑھلیں ہی کیوں نہ ہوئوں اور تم بخت منشی
تھے کہا تھا کہ کنوری روکیاں زبردستی آپ کی گود میں تحفظ ابیطھ حاصل ہیں گی۔“
”منشی نے محیکت بھی کہا تھا۔“ شادہ نے غصیلی آواز میں کہا۔
”اُتیں تو اب تم بھی یہی کوئی۔“ پس براہ۔
”اپنی نظریں بھی رکھا کر د۔“
”یہ بھی کر کے دیکھ چکا ہوں۔ ہم مش اور شوشو کرتی میں یا۔“
”کچھ بھی ہر تمہیں کائی جانا پڑے گا۔“
”اوہ دوسری بات بھی ہے۔“
”وہ کیا ہے؟“ شادہ آنکھیں بکال کر بولی۔
”تماری جدی اپنے بھر کئے بھی گوارا نہیں۔“

”بڑی بُسی پاپتیں مت کرو۔ کس روپا نی ناڈل سے رُطا تھا تر جمل“ ۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“

”کیا نہیں سوچ سکتے تھے؟“

”کہ تم اتنی کھوڑ ہو جاؤ گی

”مہیں کا بخ جانا پڑے گا۔

بات در اصل یہ تھی کہ ان دونوں شاہد کی کوئی تھی میں شاہدہ کی نکاح کی
بھرمار رہتی تھی۔ ایک سے ایک طحہ اور اگلے دار چھوٹوں اور قمقوں کے
در میان چلی شکنہ مشق پیارہ تھا مگنا۔ ہو سکتا ہے یہی ادا شاہدہ کرنے بھائی
ہو۔ بھر حال اسے دوسرا سے دل کا لج بانا پڑا تھا۔ چھا سے مدد میر ہوتی
لیکن اس نے اس کی طرف آنکھا ٹھاکر دیکھا تھا۔ ہمیں۔

”ایسی بھی کیا بلے مرد تی چھا۔۔۔“ پتی نے حیرت سے کہا تھا لیکن وہ آگے بڑھا چلا لیا۔۔۔

پتی اپنا سامنہ کے کر رہا گیا۔ دوسروں نے البتہ پتی کو بھیز لیا تھا۔۔۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ کبی لے سوال کیا۔

”بہت گرانکھل“ دوسرے اول

”کوئی تیکر ہوگا ہوگا“ تیرے نے اپنے آٹھ کم دلکشاں کو کہا۔

تاد : " یوسف پروردگار یا احمد ابراهیم رئیس - یوسف

”یہی کہ ایسی چنگ پٹ شادی ہوتے نہیں دیکھی۔ کتنے دن چلا تھا دنیا بھی خدا سے ڈرو۔ میں کوئی بدمعاش ہوں“ پتلی کھسانی ہنسی کے ساتھ بولتا۔

”بیس مم والدہ میاں لی کاے ہو زہد معاسی اسی لئے لی ہوئی۔“
”اے خبردار تمزیر سے . . .“ جلی کو کب بیک غصہ آگلا۔

وہ سب قسم کے لگاتے ہوتے آنکھی بڑھتے گے تھے۔ پھر کلائیز میں بھی اسٹاڈوں نے بھی اس پرفکٹرے چھٹ کے تھے۔ لٹکیاں اُسے دیکھ کر ہنسی تھیں۔

اور پھر وہ شادی تو والی ہوتی ہتھی کہ پورے شہر کو خر ہو گئی تھی، بھلاکائی میں اس کی شہرت کیوں نہ ہوتی۔ جدھر سے بھی گز تما انگلخیاں اٹھنے لگیں۔

ایسا بور ہوا کہ دوسرا ہے دن کا نج جائے کی سب اسے شاہدہ کی ایک بکری
کے گھر جا پہنچا، وہی جو اسے بہت زیادہ تھیزٹی ملئی۔ ناہید نام تھا۔ بڑی
چلبیں اور آزاد خیال رکا کی ملئی۔ خوش شکل بھی بھی، ہستی بھی تو کافیں میں
گردھے پڑتے تھے اور چلی کے دل ناصبور میں گد گدیاں سی ہونے لگتی
تھیں۔

”ہلو شہزادے!“ وہ اسے دیکھ کر چکی۔ ”چیل کے پنجے سے لکھے رہا ہوتے؟“

«چجیل یا چل یا چلکلام»

”اے سبھیں حیرت ہوئی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ فوج اُن راعیوں

س وہ تخل کملانی سے ہے۔

” مجھے اس پر ہیرت ہے کہ تم پر وہ کیسے جھپٹا مار سکی ۔“

” میری بھجوں کچھ بھی نہیں آرہا تھا کہ خود کیا پوچھے ۔“
” وہ اتنی چڑھڑی اور پید رماغ ہے کہ کوئی لڑکا اس کی طرف اُرخ ہی نہیں کرتا تھا ۔“

” نہیں چڑھڑی تو نہیں ہے ۔“

” تو پھر ایک سیک اُس کا دماغ غراب ہو گیا ہوا کا ۔“
” یقینی تر وہ تمہاری کوئی بات میری بھجوں میں نہیں آ رہی ۔“

” واقعی تم بہت بھولے ہو ۔“

” ز جانے بھجوں چلی کا دل بھرا یا خدا اس بھلے پر۔ انہیں دیکھا آئیں اور
نامہید طریق کر لوئی۔“ نہیں نہیں خدا کے لئے روز دینا، میں مردوں کے انہوں
برداشت نہیں رکھی۔ تمہارا دل دکھا ہو تو معاف کر دو۔“

” اس نے آنکھ بڑھ کر اپنی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس نے بچ بچ
دولوں ہاتھوں سے منہ جھپیا اور ہمکات ہمکات کر رونے لگا۔“ نہیں
لڑکھلا گئی۔

” اسے۔۔۔ اسے۔۔۔ لوں بھی کیا۔۔۔ بھتی معاف کر دو۔۔۔ اب
بھوکجھی کچھ کہا ہو۔۔۔ اسے۔۔۔ اسے۔۔۔“

” انفاظ سے آس پاس کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ اس نے بات اگے
نہ پڑھ سکی اور چلی نے بھی خود پر قابو پانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔
اس کی تو بمحظی میں ہی نہ آسکا کہ اچانک اس طرح روکیوں ٹرا تھا۔

” اس کے پُرسکون ہو جانے پر نامہید بولی محنتی“ مجھے تمہارے دکھ کا پورا
پورا احسان ہے۔“

” چلی سر جھکاتے بیٹھا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خود کیا پوچھے ۔“
” ” چھڑو“ میں تمہارے لئے مالٹوں کا رسن لا تی ہوں ۔“ نامہید نے کہا
اور دہان سے چلی گئی۔

” ادھر علی کا دل چاہ رہا تھا کہ جو شے اتارے اور اپنا سر منٹ ڈالے
اگر روپا یاد ہوں تھا۔ اب یہ بابت بھی پھیلنگی۔“ شاہزادک پہنچ تو کیا ہو گا؟
لیکا بتائے گا سے کہ کیوں روپا تھا۔ اس کی پڑی چڑھ کر زن کے چھپا منے۔ تھوڑی
در بعد وہ مالٹوں کے رس کا گلکاس لئے ہوتے ہوئے واپس آگئی۔

” نہیں بھی بسیں منٹ سوچتے رہتے کے بعد چلی نے کہا تھا۔“ خدا
کے لئے اس کا ذکر کسی سے بھی نہ کرنا۔“

” اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔“

” میرا بھی یہی خیال تھا۔۔۔ نامہید نعموم بچے میں بولی۔۔۔“

” تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا کہ تم نے کسی سے اسیں کا ذکر
نہیں کیا۔“

” ارے ایسی بھی کیا بات ہے لیکن اگر تم چاہو تو مجھ سے اپنا ذکر درد
بیان کر سکتے ہو۔۔۔ مجھے اپنا ہنی ہمدرد سمجھو، کیونکہ تمہاں اس شہر میں تمہارا
اپنا کوئی نہیں ہے۔“

” چلی نے مغموم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔۔۔ وہ
سوچ رہا تھا کہ اگر شاہزادے کی سجا تھے اسی ہمدرد لڑکی سے شادی ہو جاتی
تو کیا حرج تھا۔

لیکن اُس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ اپنا کون سا ذکر بنیا کر کے اس کی

”اُس نے مجھے عات کر دیا ॥“
”نہیں۔“ اُس نے منہ پر ما تھر کر کہ آنکھیں مھاڑ دیں۔
”یہی ہوا تھا بزرگ نا ہیں۔“ چلی کا لجھے حدود رنگ ہو گیا۔
”اب نیں سمجھی۔“ وہ معنی خیر انداز میں سر نلاکر بولی اور چلی اس کی شکل دیکھا رہے۔
”اب میں سمجھی ٹاہمیں پھر بولی۔“ انکل نے تمہیں لاوارٹ سبھ کر چل کے
گھونسلے میں پھینک دیا۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ تم واقعی مظلوم ہو۔ مجھے پوری طرح
ایسی طرفداری سمجھو، میں انقلابی خیالات رکھتی ہوں۔ نہ خود غرض بوڑھوں سے استقام
لیا جاتے گا۔“
چلی اس کے لجھے سے فریل کر رہے گئی۔

”جب میرے باپ کو دارالحی منابع ہوتے کی اطلاع می تو جنت برہم ہو اور
کھبھیجا کر دوبارہ دارالحی کی داغ بیل ڈالی جاتے دررنہ وہ میری شکل پرست
دیکھنے کا روا دار نہ ہو گا۔“

”ظاہر ہے کہ تم اس بات سے تفکر نہ ہوتے ہو گے؟“
”یہی بات تھی۔“

”اچھا تو میر کیا ہوا؟“

جس کا سارے بھائیوں کے لئے اپنے
خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

بھائیوں کے لئے اپنے خواہیں ملے۔

گے۔ میریں اب بھی کچھ نہیں کنایا۔

خدا حافظ

سرفناض نے خط پڑھا تو ایک بار ہر ان پر دوں کا دورہ پڑ گیا۔ خاندان کے دوسراۓ افراد اس خط کو اس طرح آنکھیں پھاڑ چاہ کر دیکھتے رہتے تھے جیسے وہ چینی زبان میں لکھا گیا ہو۔

چلی اس وقت موقع و ازدایت پر موجود نہیں تھا اسے توار وہی بھالا

شام کو بھگن میکن جب کوئی میں داخل ہو تو ایک ایک فرد اسے ایسی نظر

بے دیکھ رہا تھا جسے گیڑ کچھ سمجھے تو جھ بغير شہر کی طرف آنکھا ہو۔ سیدھا اس

کمرے کی طرف چلا گیا جہاں اس کا قیام تھا۔

شامیہ اسے دیکھتے ہی بھوکی نیشنی کی طرح بھیٹ پڑی۔

”تم اخیر ہو گوں ہے۔“

”تمہارا جعلی پروزیر“۔ چلی نے تجارت سے دامت نکال دیے۔

میں یہ بوجھ رہی ہوں کہ بسی بھی کسی نسل سے تعلق رکھتے ہو جو۔“

”کتنی بار تباون کر ناد شاہ دریا نی۔“

”ہرگز نہیں۔ سات پشتوں سے تمہارے پیاس روئی دھعنی

لے جائیں ہے تا ترکاریوں کا کاروبار ہو رہا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا،“ چلی سنائے میں آگیا۔

”جس وچھ اکیا میں عطا کر رہی ہوں۔“ اس نے چلی کے والد ماجد

کا خط اس کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔

چلی نے خط دیکھا تھا اور سر کھجانے لگا تھا۔

”لیکن“

جناب دالا با۔

بعد آداب کے واضح ہو کر پہاں پر سب نیزت ہے اور آپ کی خبر و

عائیت خداوند کرم سے نیک طلب نہیں اب مجھے معلوم ہوا کہ

بُرخوردار کے ساتھ کیا چکر چلا یا گیا ہے۔ پہلے داطھی موچھ منڈفا کر

کوڑان بنایا بھرا بیسیوں جیسی پرکٹی نوٹیڈیا اس کے سرفے پر اڑی۔

ازواہ... واکیا کتنا... اللہ نے چاہا تو بروز خشنی کی شفاعت

نصیب نہ ہو گی، جیسا تم نے میرا دل جلایا ہے، اسی طرح جنم میں چکو

”یہ کسی شریف آدمی کا خط لئے یا کبھی کن لئے کام لے دیا۔“

”بس لیں بہت ہو چکا۔“ چل کو بھی غصہ آگیا۔

”کیا ہو چکا۔“ با بھی بھی نہیں ہوا۔ اب ہو گا۔“

”ٹھیک۔“ بے شرم۔ بے غیرت۔ بے احتساب۔ بے جگہ۔

”ارے زبان سنجان کے۔“ کیسی بے شرفی بستی۔ بے بھی کسے ہوتا ہے۔“

”کیا ہوتا ہے۔“ اماں نے ملے۔ اس جس انتہا تک

لے کر میں کیا جاؤں۔ پھر خداوندی کی دلائل صیغہ اپنی بھج ج

”تمہارا ذماغ تو نہیں چل گیا۔“ اس کا اعلان کیا۔

”میرا دماغ ہاں کل ڈھنکت ہے۔“ چلنے سخت لاج میں کہا۔“ اگر تم خاندانی منصوبہ بندی والوں کے پائیں گینیں تو مجھ سے بڑا کوئی نہ ہو گا۔“

”خدا غارت کر رہے تھے میں کیا کہہ رہی ہوں اور تم کیا بھجوئے ہو۔“

”چلو غصہ مٹوک دو۔“ بکھاری لامپوزادہ غیرہ کو دان چاہے تو بنا دیتا۔

”وہ شاید اس پر عمل کر سکے۔“ چھپتی تھی اور علی بوكلا کر پچھے لہڑ گیا تھا۔

”بے امنی و قلت اس کی ایک بڑی بھی کرے میں گھسن آئی اور چلی روڑ رورے سے ہنسنے لگا۔“

”یہاں کیا ہو رہا ہے لکھوڑتے چاہوں بیوالا۔“ انکل میں بھی انہوں کی

ہے؟“ اس نے دونوں کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”تم بغیر اجازت میرے میں بھوں داخل ہوئے۔“ شاہزادہ اس پر اٹک لگری۔

”اگر ہوں گی غصہ کرنے کی کیا ضرورت نہ ہے۔“ چلنے جلدی سے لولا۔

”میں نے تو بُرا نہیں بنا۔“

”اوہ۔“ نہیں کہا۔ دور ہر ٹھاکری طروہن سے رہ میہاں پچھے کر جی۔

”خارا ہوں۔ چلا جاؤں گا۔ لیکن دبiron سے قید اخلاقی سے نہیں آؤ۔“

ابن طرح چلی چڑنکل بجا گا۔ پاپ نے جو خط لھا تھا اس کی کوئی اہمیت نہیں بھی اس کی طروہن میں۔ یہ تو بے حد شریعہ خط تھا۔ ورنہ اس نے تو نہیں خطوط میں گالیاں لکھوائے تھی ساتھا اور سے حارے منشی جی بعین گالیوں کے ہتھے خود چلی سے پوچھا کرتے ہے۔

”چھاپ والا۔“ چیز طرز تھا طلب کی اسید پاپ نے نہیں رکھا تھا۔

”تو خوشی ہو رہی تھی کہ اس کی عدم موجودی میں حاضرے مہذب ہو گئے ہیں۔“

”چھپتے تو چھپتے دو چھپتے گا۔ اگر کرات کے ٹھانے کے وقت بھر کو عین میں حادھا۔“

کسی نے کھانے کو بھی نہ پوچھا۔ شاہزادہ کرے میں بند سوکر بھی کوئی تھا۔

آخر نے باورچی خانے کی راہی۔ ”الحمد لله رب العالمین“

خانہ میں نہیں ابھی اسے دیکھ کر متیناں حاصل کرنے والے سو بے کی میز

کے قریب کریں۔ کھسکا کر بیٹھ گیا۔ انہوں سے معلوم ہوا یا کہ اس خط کی اطاعت

جسکو اتریشیاں داں رہاتے صاحب کو کیسے سمجھائی جاتے ان کی حالت تو بہت خراب ہو گئی ہے اور خط میں تو یہ کہا ہے کہ انہوں نے آپ کو عان کر دیا ہے۔

نادر شاہ درانی کے پاپ نے بھی انہیں وقت طور پر عاق کروانا تھا لیکن وہ جھکلا کر مندستان پر عمل کر دیکھتے تو اور پاپ کو بکھر جسما تھا کہ آپ کو بالائے طاق کیا۔

”وہ تو طحیک ہے۔ لیکن صاحب کو کیسے سمجھایا جاتے۔“

”نکر کیوں کرتی ہو۔ بہت سب ٹھک ہو جائے گا۔“

”میاں تم جانو میں تو سب کی تیر غواہ ہوں۔“

خاندان نے اللائیڈ ہا کھانا میرزہ رکھا دیا ہوا اور جلی زہر اکرنے لگا تھا۔

اس نے میں خاندان کو بھی مزید پوچھ گئی کی سوچ گئی لیکن سب ادا لا

کو تو صاحب نادر شاہ درانی صاحب آپ کے کون تھے؟“

”بھی یاد نہیں۔ بیبا سلسلہ ہے۔ پیرے پاپ نے نوٹ کر کھا ہو

گئے۔“

”آخر مندستان نے ان کا کیا بکارا تھا؟“

”تم کیا جانو شاہان سلف اپنا گھر یو غصہ مندستان، ہی پر آتا را

کرتے تھے۔“

”شاہزادی کی کوپوارے ایک ماہ بعد عصیہ آیا ہے۔“

”عمرتوں کی راں نہیں کلئی وہ کسی کا کچھ بکار دینے میں سکتی۔“

کوچھ کے ہر فرد کو ہو گئی ہے۔

ایک بڑی بی جواندان کی پروردہ تھیں۔ باورچی خانے میں داخل ہوئیں اور بڑی تشویش سے جلی کا جائزہ لئے گئی۔ جلی سر جھکاتے تھیں تھا آخر بڑی بی بنے کہا۔

”میاں یہ آخر آپ کے والد کا سوچی تھی۔“

”در اصل میں نے اسیں شادی کا دعوت نامہ ہیں بھیجا تھا اسی کا مال ہو گا۔“

”دعوت نامہ ہیں بھیجا تھا۔“ بڑی بی نے خیرت سے دہرا دیا۔

”میں جلدی میں بھول کیا تھا۔“

”اور یہ خیرت سے بیٹھی شادی ہو جائے اور باپ کو خیرت نے

پڑائی روایت ہے ہمارے خاندان کی۔“

”میں زیب سمجھی میاں۔۔۔“

”نادر شاہ درانی نے بھی اسی طرح شادی کر لی ہی۔“

”کوئی نہیں۔ پاپ نے اس کے خلاف جو اوڑا ٹھاکی ہی، اس کی لکھا ہے۔“

”مگر صاحب پر تو دورہ چل گیا۔“

”اہمیں ہماری خاندانی روایات کا علم نہیں لے۔ الحسن الصلوٰۃ

”تو پھرے سے آگاہ رہنا تھا میاں۔“

تھا اور پھر ٹے خاں کھلاتا تھا۔ یہی اصل نام بھی تھا اس کا بھی ایک لطیفہ ہے مگر یاد کر لے تو شاید کبھی کام آجائے ۔ ۔ ۔ ” ضرور ۔ ۔ ضرور ۔ ۔ ملی چمک کر بولा۔

”شامہ کے دادا اور فوج کے کرنل کے خانہ میں گاڑھی پھنستی تھتی۔ ایک دن کرنل صاحب کے باورچی خانے میں برا جمانتھے کہ کرنل بہادر دہاڑتا ہوا دیوار پر تباخ گیا۔ اس کے دلائے ہاتھ کی انگلیاں رخی تھیں، اور وہ شیوکرنے میں شواری محیں بھر رہا تھا۔ خانہ میں سے کہا کہ وہ شیوکرنے لکین شامہ کے دادا چھوٹے خان صاحب اپنی خدمات پیش کر بیٹھے۔ شیوکیا کرنل کا . . . اور کرنل نے کہا تم تو کمال کے آدمی ہو۔ . . اب تم ہی آکر روزانہ شیر کر دیا کرو میں تمین خان سماج سے شدایوں

کیا واقعی ہے ؟ طلی کی آنکھیں بھکنے لگیں۔ خان صاحب اپنے بھرپور
لبے ہاں .. پہلے وہ مُرثی والا .. خان صاحب اپنا عبا در بھرپور
خان بہادر اور صاحبزادے سر کا خطاب لے بیٹھے تھے۔ رہ جال جامات
ہی کے صلے میں چھوٹے خان کو خان صاحبی نصیب ہوئی تھی۔
”اب دیکھوں گا صاحبزادی کو .. مجھے ندات اور زکاری مروش
کی اولاد کہہ رہی تھی۔ ضروری مسروط .. بھی پھر مکتے ذیل کرنا یاد رہی۔ مُرثی والا کے
ادلا د کو .. بھی اپنے کام کا انتہا کرنے والے تھے۔

”خدا کے لئے دوڑھی رہنیے کا ان سے من،“ عانسیاں نے ازدالہ
لیجیں کیا۔ اور تاری خونی چیزوں کرنسے سے مٹا دیکھے کا۔
”کیوں؟“

”دُرْنی چیزوں سے کھیں کی ہڈی بھی ٹوٹ سکتی ہے، غصے میں جو چیز
بھی ہاڑھ آ جائے کھینچ نا رہیں تی“ ارے نہیں السا بھی کما .. .“

”آگاہ کر دیا ہے میں نے میرا فرض تھا۔“

کھانے سے فارغ ہو کر باورچی خانے سے نکلا جانا اور سر فیاض کی
رفت خانے کی کوششیں ہیں، لیکن اسے رجوت دیا گیا۔ "میری سمجھ میں تمہیں آتا کیا کروں؟" وہ زیج ہو کر بولا کسی کے پاس اس

آخِر جھنچہ ملک کو بھی سے نکل کھڑا ہوا اور کارکوئی کے ہوں تسلی تک
ما جواب نہیں تھا۔

بچا ہو سبل میں موجود تھا پر خواسی کرے میں جا پہنچا جہاں پر من کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی۔ پھر اپنے بھائی کو دیکھ کر بُرا سامنہ بنایا اور لوٹا۔ اے، حسناً چھوڑ مر احمد!

لر دیگر اکام توین گیانان
دوسنی صیبست چا...
لر کانانه...
لر دیگر اکام توین گیانان
دوسنی صیبست چا...
لر کانانه...

”اب کیا ہوا ہے۔“ جچانے پوچھا اور چلی کی کیا کی تاریخ فسطفسن کر لے ساختہ میں پڑا۔ پھر لولا۔ یہ سرنیاض نونج میں انہے سپلانی کرتا

”بس بس آگے نہ بڑھا...“ میں بھی سب جانتا ہوں ایسا کہ ”کیا جانتے ہوئے“ کہ میری زبان نہ کھلوا دے۔ ”بہتری اسی میں ہے کہ میری زبان نہ کھلوا دے۔“ میں کہتی ہوں کہ تم رات کو کھرے سے باہر کیوں رہتے ہیں؟ ”تمین کیوں نہ کھرے سے؟“ تم تو محظہ تند کر کے بیٹھ کر ہی تھیں۔ ”تم کم کم وہ صرف گھور کر رہ گئی۔“ اپنے پیشہ تھیں کیا پھر اپنے تو نہیں آ سکتے۔ ”تم اب میرے قریب بھی نہیں آ سکتے“ ”آخر کیوں...“ ”کیا مطلب ہے؟“ ”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ ”اور تمہاری اصلاح کیا ہے؟“ ”جلونہیں ہوں شہزادہ لیکن کنی مرغی واسی کی اولاد بھی نہیں ہوں...“ ”کیا مطلب ہے؟“ ”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ ”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ ”اوہ نہ جائزی اٹے مرغی سپلان کوئی پھر تھے۔“ ”میں سمجھ گئی۔“ ”مجھے پستا ہے کہ تم آج حلقہ نامید کے گھر میں کھلے رہتے ہو۔“ ”تمہاری رنگ اے۔ کوئی گری پڑی روکی تو نہیں ہے۔“ ”میں اپنی ہوں الگم اور ہر کے تو ابھی انہوں کا...“ ”بواہ یہ بھی خوب رہی را پسے قریب آئے دین گی اور نہ کہیں اور جانے دیں گی۔“

www.allurdu.com

”تم ضفول بخواں نزک و محجھے سے۔۔۔ انہیں ملائیں اب بھی
میں ضرور کروں گا کیونکہ تم بھی بخواں کر لیے ہیں مجھی سے پچھے
نہیں ہو۔۔۔“

”تمہیں تو غور توں سے بات کرنے کی بھی تیز نہیں ہے۔۔۔“
”غور توں سے بات چوتھا کافی ہی نہیں ہوں۔۔۔ اگر دھنگ کی ہو تو
خاموشی سے پوچھا کر تاریخاں ہوں۔۔۔“

”بڑی آرٹسٹ باتیں کر رہے ہوئے شاہدہ نے جلے بھنے انداز میں کہا۔
”کیا نامید کا مودل بننے کا ارادہ ہے؟۔۔۔“

”اچھا تو کیا وہ آرٹسٹ بھی ہے۔۔۔“

”یکڑے مکھوڑے بنایا کرتی ہے۔۔۔ اور دو چار میں بیٹھ کر اس پاوز
کرتی ہے جیسے مان و بہزاد کی بھتیجی ہو۔۔۔“

”محبے نہیں معلوم تھا۔۔۔ اب اس کا درک ضرور دیکھوں گا۔۔۔“

”قدم اٹھا کر تو دیکھو اس کی طرف۔۔۔“ شاہدہ لے دھنکی دی۔۔۔

”لوو نہیں۔۔۔ یہ اچھی زبردستی ہے۔۔۔ خود اس قابل نہیں سمجھیں گی اور
دوسروں کی طرف بھی ہیل جانے دیں گی۔۔۔“

”چلی پر دیز۔۔۔ وہی ہو گا جو میں کپوں کی۔۔۔“

”میں اس سلسلے میں دیدی ہی نے بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔“ وہ کہہ پچکے ہیں کہ اب تمہاری شکل
نہیں دیکھیں گے۔۔۔“

”کمال ہے۔۔۔ وہ عکل نہیں دیکھیں گے۔۔۔“

”بیٹھ لے یوگی۔۔۔“ بھر کیا صرف ہے اس پھر میں بت۔۔۔“

بات تو چر ایک اپنی پسند کی بھی سی۔ لیکن نامید کے ساتھ وہ اس حد تک
چاہئے گا اور کیا نامید اسے اس نکتہ نظر سے بھی نہیں۔ جالات کا سلسلہ
لوٹ گیا۔ پورت یعنی بڑھنے کی طرفی اشارے سے بلارہی ھلک۔
وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

”میں... اپنا سمجھ کر کہ بھی ہوں ۔“ وہ ان سے قریب پہنچا لاداہست
سے بولیں۔

”میں بھی نہیں اپنی بڑھنے سے بھی بھتی جاں ہوں۔“ میں بھی نہیں اپنی بڑھنے سے بھتی جاں ہوں۔
”اللہ جیتا رکھے۔“ میں یہ کہ رہی بھی کرچھ دلوں کے نئے نہیں اور
یہے جاؤ۔“ اپنا سمجھ کر کہ بھی ہوں۔

”آخر یکوں؟“

”آخر یہم بنا ہوا ہے۔“

”میرا اس میں کیا صورت ہے؟“

”ہو یا نہ ہو! میرا مشورہ یہی ہے۔“

”بڑی صیحت میں پڑ گیا ہوں۔“

”اللہ مدکار ہے۔“ بس فی الحال دوچار دلوں کے لئے۔

”ادھر تو یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر شاہد وون پر نامید کے بروائیں
کر رہی تھیں۔“

”دماغ تو نہیں حل گیا۔“ نامید کی آواز آئی۔

”تم پیر کے سورہ کے کان بھرتی رہتی ہو۔“

”میں بھری ہوں ۔“ میں میرے نامہ کیا ذکر۔

”تم نے چلی سے دادا جان کے بزرگ کی بات کیوں کی تھیں کیا تھیں
حاصل تھا؟“

”لہاں تو نہیں کھا گئیں۔“ بھتھ تھمارے دادا جان سے کیا سو ماہر شرمنے
تھماری مان سے ہے۔ دادا کو میں کیا جاؤں۔

”اس قسم کا یہ نہیں پیش کیا۔“ برداشت نہیں کر سکتی۔

”جنم میں جاؤ۔“ کہہ کر دوسروی طرف سے سفلیہ منقطع کرنے دیا گیا تھا،
اور ادھر شاہدہ میلو ہیلو ہی کرتی تھی۔ اسی وقت چل انہر پہنچا تھا اور شاہدہ
کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کھینکا رہتا۔

”وہ جھلکا کر بیٹی اور دانت پیشی ہوئی بڑی بڑی“ دماغ درست کر رہا ہے کیا
کیا۔

”کس کا یہ؟“

”فاؤ۔“ اسی ذیل نامید کا۔

”میں خدا کی قسم کھا کر کھتا ہوں کر نامیدتے سے بھتھ تھمارے دادا جان کے
پایا ہے میں نہیں معلوم ہوا تھا۔“

”میں نہیں نہیں کر سکتی۔“

”دماغ درست کر رہا۔“ چل نے لاپرواٹی خستے کیا اور اپنے کمرے کی طرف
بڑھ گیا۔ شاہدہ بچھے بچھے آئی تھی۔

”میں جارہا ہوں۔“ چل نے اس طرف دیکھے بغیر کہا۔

”یہی بھتر ہو گا۔“

”لیکن تھمارے خاندان والوں کو زندہ درگور کر دوں گا۔“

”بہت دیکھے ہیں۔“

”اے سب کچھ سامنے آگیا ہے۔ امداد جلد از جلد یہاں سے کوئی کچ کر جاؤ۔“
چلی غصے میں بھرا ہوا اپنا سامان پیک کر تے رکھا۔ نجت دیاغ پایا تھا
شامہ نے۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس پر سرم ٹھیک کرتا تھا میں اور کونز کے اڑی اور
ب قلعی طور پر دفع ہو جانے کو کہہ رہی تھی۔ اسی اجھن میں صلی کا غصہ
زد ہو گیا۔
روٹ کیں بند کر کے اسی پر بیٹھ رہا۔ شامہ سہری کی پیٹی پڑ کی ہوئی
گئی۔

”بیٹھ کیوں گے .. اھا سوت کیس“
 ”کیا تم راتی سیں ہوئے .. اپنی نے پھر ہاتھ یادیں مارتے۔
 ”غیرتی کی حد ہوئی ..“

”دیکھ شاہزادہ پختاونگی اگر جلا گیا۔“
در اصل میں تھی کسی سوچ رہی ہوں کہ اتنی بعد میں بھے پختانہ
نہ پڑے۔

”خدا کا سکرے سے احتساب ترہوا“ جعلی نے طویل سالیں پی۔
”تمہارے سلے میں نہیں کہہ رہی تھی“
”بھیرتے ہو“ جعلی نے سوالہ یادداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس پر نہ پھٹانا پڑے، جو میں تمہاری عدم موجودگی میں کرنے کا رادہ رکھتی ہوں۔“ میکاڑا حاصلی ہو مردی عدم موجودگی میں۔

”یہ نہیں تباہ کتی۔“
”تو چھر میں یہاں سے چاہیں نہیں سکتا۔“

”لہلاں نہیں دوں گا۔“ میں بھاگ کر جسے تھا۔
”ست دو۔۔۔ یہاں کون انگتا ہے؟“
”یعنی۔۔۔ قم بدستورِ حکم حل پڑا زیر کھلاقی رہوں گی۔۔۔“
”بالکل۔۔۔ شادی تو ہیں ملے کی بھتی کہ بعض اپنے بندیاں
ختم ہو جائیں۔۔۔“
”ایں نہیں سمجھا جب جانتے۔۔۔“
”ایسی کہ نماز ای اڑکیوں کو کہ نہ کرنا ہاتھی اور کو اڑکی اڑکیوں کو
وہ نہ کرنا چاہتے۔۔۔“
”ذرا آئینے میں شکل دیکھو اپنی۔۔۔“
”کیا شیو طرحا ہوا لگتا ہے؟“
”لا۔۔۔“

”نہیں۔ ہوتا لگتا ہے۔“ ان یہ میں نہ راجھان سے فرائیڈ
بھی تھی۔ پس خود بھاگے بھاگ کے پھر تیر تھے میرے پتھے اسکی اونٹی
”کچھ بھی سی۔“ لیکن گھر سے تو اسی بھاگ کی تھیں۔ جبکہ اور
میرے لئے زندگی اسکا خاموش تھا۔“
”مکتبت مغلی تھی۔ تھا کہ عبدالعزیز جلدی کوواڑ سے پن کی پاہنڈوں
سے نجات مل جاتے۔“
”غصہ بیکی فراہم نہیں۔“ اپنے بیکی تو سوچ جی نہ لیں سکتا
تھا۔

یہ بکار کیا مل میں جو بزرگ نہ اپنا چاہئی ہوں۔ ”ہم اتنا لمحہ بھیسا۔“

تمہیں ”ایسی کچھ سوچتی رہتی ہوں اس پر عمل جعلی کر سکتی ہوں ایسا نہیں ہے۔“

”جو کچھ مرد کرتے ہیں وہی عورتیں کیوں نہیں کر سکتیں۔“

”مثلاً جیسے مرد غذۂ گردی کرتے ہیں۔“

”تم ہوشی میں ہو یا نہیں؟“

”پھر ہی کتنے ایک خواب دیکھتی آئی ہوں۔“

”کیا خواب؟“

”یہی کہ میں نے تدرست اور طاقتور عورتوں کا ایک تحریکہ بنایا اور

خود اس کی شردار ہوں۔“ تم ایک جیپ میں بیٹھ گئی ہیں اور راہ چلتے

مردوں کو اٹھاتی پھر رہی ہیں۔“

”کیا میں بے ہوش ہو جاؤں۔“ جعلی نے الگ ہو گئی۔ میں ادازہ میں

پوچھا۔

”تم اس صورت میں ہوئے تو یہی ہوتی اور کچھ سوچتی ہوئی جبکہ بجا کر

لے۔ ایک صورت ہے۔“ اس نامہ میں پڑھتا ہے۔

”کیا کہنا چاہئی ہو یہ؟“

”میں تمہیں برداشت کر لوں گی۔“ اگر مجھ سے مقابلہ کرنے کے لئے رپ آ مادہ ہو جاؤ۔“

”تمہاری کوئی بات میرے پلے ہمیں پڑ رہی۔“

”لیکن میرے پلے ہمیں پڑ رہی۔“

”ابھی تماق ہوں۔“ اس نئے کہا اور پھر کچھ سوچنگی۔ جعلی ہر لفظ کی طرح
اسے دیکھے جا رہا تھا۔

خود رائی دیر بعد شامہ دلی۔ ”تم خواہ کسی بخوبیے ہی کی اولاد کیوں تھی تو
میں تمہیں برداشت کر لوں گی۔“

”بس اب ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے۔“ جعلی تھا کہ کھڑا رہ گیا۔
خسل پر بھوپلھو جلد بازی ابھی نہیں۔ شایدہ را تھوڑا لٹکا جاؤں اور پلے غیر ارادی
طور پر بھٹکا جائے۔

”چار لاکھیاں میرا ساخت دینے پر تیار ہیں۔ پانچوں میں خود ہوں چیز
لبھی نہ ہو دے۔ اور میں اسے ڈرائیور کر سکتی ہوں۔“

”اچھا تو پھر۔“

”لے پڑے پیر سل کیوں نہ کی خالیے۔“

”خاموش نہ ہو۔ میں یہیں ہوں۔“ وہ بھگتا گئی۔

”لے۔“ لیکن یہ ہو گا کس طرح؟ پلے نے سنی میں بریک بکایتے ہوئے
کہا۔

”بہت آسانی سے۔“ تم خود کو ہمارے لئے اچھی پوز کرو
گے اور چپ چاپ اٹھاوے۔

”شم پانچوں کر اٹھاوے کی؟“

”آئی بڑی لاسٹن ایک آدھے کے بس روگ تو ہمیں بجا دیا جائے۔“

”اچھا۔“ جعلی نے بھرا رائی ہوئی آفایز میں کہا۔ پاپی عورت توں
لے کے باقیوں اٹھاتے جائے۔ تک تصور سے اسے کچھ پورا آپلا یہا۔“

کی دو دن اپنے لئے یہ دیکھیں گے کہ اسیں اولادات اسے دوستی لے لے گیز دن پر
کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ دخل اندازی کرتے میں یادوں سے گھر سے
تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ ”اے جعلی نے بے اندازہ دچی خالہ کرتے ہوتے
ہیں اگر پولیس نے دوڑایا تو۔“ جعلی نے بے اندازہ دچی خالہ کرتے ہوتے
ہیں، فرماں تو ہم کو کشش کریں گے تاکہ پولیس کے ہاتھ میں اسکیں اوزار کا بھی گئے
تو نہایت آسانی سے کہہ دوں گی کہ گھر سے چلا گئے ہوئے شوہر کو پچھاڑ کر
پسلے چارہ سی ہڑوں۔“ اے جعلی بیٹا پڑھے، قل ادیں یا کام کا۔“
”چلی نکلے ہیں آگیا۔ چھر آہستہ سے اٹھا اور جھک کر بول کیں اٹھاتا
ہوا بولا۔“ اچھا تو ہر پلے بچھے گھر سے جاگ جانے دو۔“ پالتا۔
”بیٹھو۔“ وہ زور سے بیٹھی اور علی بکھلا کر پھر سوک کیس پر مددھ کیا۔

”اب تم نہیں جانا سکتے۔“ بات کی ہو گئی۔ پھر تمہیں تھر
ہی میں اٹھانے کی مشق کی جائے گی۔“ پالتا۔
”کیا مطلب ہے؟“ شوہر بیٹھا۔“ میں کوئی شکار نہیں۔“
”نون کر کے اپنی چاروں سہیلوں کو بلوائے لیتی ہوں۔“

”شاداہ“۔
”کھو ہی نہیں سننا چاہتی مشق تو ہو گی۔“ پالتا۔
”بیان گھر میں؟“ چلی بکھلا کر بولا۔
”ہاں ہمیں ہو گی۔“
”کھو ہی نہیں سننا چاہتی مشق تو ہو گی۔“ پالتا۔
”تھاں اسی پر مددھ کیا۔“
”تھاں اسی پر مددھ کیا۔“ پالتا۔
”تھاں اسی پر مددھ کیا۔“ پالتا۔
”تھاں اسی پر مددھ کیا۔“ پالتا۔

جب بڑھ کر پہنچنے اٹھا بے جاؤ پہنچنے تو اس دست بھر کے شور جمالینا۔
”ایک گیا تو پہنچنے پاگل ہو گئی ہو۔“
”بکواس مت کرو۔ شادی میں بیٹھ اسی نکتے کی ہی۔“
”مجھے چلنا بنانے کرنے۔“
”یعنی بھڑا بعام آدمیوں کی ازدواجی زندگیوں میں کیا رکھا ہے۔“
”مجھے تمام سے بھی بخشن سجد کر معاف ہی اکھڑت۔“ اسی کوئی
پسخواں ہی نہیں پیدا ہوتا۔
”کیا تم سینیڈگی سے بہترین کر رہا ہو جی؟“
”بیٹھی کھوڑی میں سکتے کامغز نہیں ہے کہ خواہ جو بھتی رہوں گی۔“
”میں سڑک پر سے اٹھایا جانا ہرگز نہیں پہنچ رہوں گا۔“
چاہ کر کر او۔“
”تم وہی پسند کرو گے تو ہمیں چاہوں گی اور اب تم گھر سے باقاعدہ
نہیں نیکان سکو گے۔ تو کوئوں کو تمہارے بارے میں سختی سے احکام دیتے
چاہیں کے۔“
”ویسا کیا کہتے گی؟“
”ویسا کیا کیتی تیکی ہم دنیا کے بھاٹاٹی میں دخل چیتے ہیں کیہیں دیما
کی پرواہ ہو گی۔“
”آخر تھم چاہتی کیا ہے کہ۔“ جعلی نے اکتے بار پھر را تھی بیاں مارے چاہے
”یعنی لوگوں میں آتا کہ میں کیا چاہتی ہوں؟“ بیٹھے بھوکر سر آن کچھ
درکھ کرتی رہنا چاہتی ہوں۔ پیسوں کے سکھے لعشر بست دن و نصف حركت کا نام
زندگی ہے۔“

نہیں۔ خوشی کی بات ہے ”چھپاکی آداز آئی۔“ ان اسکم میں میری طرف سے بھی اضافہ کر لے۔ بغل پستول کا۔ جب وہ تمیں سڑک پر سے اٹھا کر فرار ہونے لگیں تو نقلی پستول سے دو تین فائر بھی کرتی جائیں۔ ”

”میرا مذاق تو ز اڑا۔“ ”علی سنتے کما۔“ لیکن دوسری طرف

”میرا مذاق توڑا اڑاوٹے۔“ جملے کے کہانیں لکھن دوسری طرف
پڑے سلسلہ نمقطع ہونے کی اواز ای محبی
چلی کو وہ رات خلا بگاہ میں تنہا گزارنی پڑی محبی، اب پر اس نے تجھے
محبی کیا تھا لیکن شتوتی نہیں ہوتی تھی تھے، اس
دوسری بارج نا شستے کی میز پر بھی تمازہ سے ملا غافت نہ ہو سکی، بالکل
بھرپوری بی بی سوار تھیں ملے اسی کی وجہ سے اسی کی وجہ سے
اے میاں تم نے میرا گھاٹ مانا آخر۔“ ابھوں نے ہموری برل ڈال

کر کہا۔
”کس طرح ماننا۔ مزدرا نوکریوں سے پوچھو: پانندی لگا دی گئی
ہے کھڑے سے ماہر تدبیر نیکال سکون چھپے لے گا۔“ پہ
”ٹیکا لے لکھی ہے پانندی یہ طریقی بھی جھکٹ کر بولیں۔
”بھر کوں لگانا؟“

چہر کوں لکھا؟ ”
”لے تے بولیں گے“
”کل ملک سے ہے نہیں“
”ارے میں لو اسی کی وجہ سے سہ رہتی ہی“
”ایک بات تو ساڑی پڑی ہی“
”وہ سمساری ترجمبین ہیں تکمیل کرنے کے لئے“
”یہ تمہاری بیٹا جو ہیں نا۔“

”لیکن جو حرکت تم کرنا چاہتی ہے اس کا نام بنتجہ میں کا نام لے لیجئے
چلی سکلا کر دی گیا۔ جملہ پورا کرنے کے لئے اُس کے درمیان میں کوئی لفظ انہے
اسکا تھا...“

”اسی کا نام زندگی ہے۔ معمولات تو مشینی طور پر سر زد ہو دتے رکھتے ہیں
پریس وہ کرنا پاہتے ہے جو کسی اسے نہ ہو سکے ہے اب اسی پریس کی وجہ سے زندگی کا
شبوت ہے۔“

”تم کسی نفیاتی بھیار بی میں مبتلا کر ہو۔“ ایک دیگر کہا۔
”لئے نفیات کا نام نہ لینا ڈیان سُنگت جاتی ہو۔“ یہ کہیا۔
”اچھا۔ میں کب تک گھر سے باہر قدم نہ نکال سکوں گا۔“ کہا۔
”جس من کوں گی تھ۔“ کہا۔ ”الحمد للہ۔“

بجھ میں کہوں گی تب « لا لا لا الحمد لله »
چھروہ کھرے میں چل کتی حتی اور چلی دہیں بیٹھا اپنی گدی سسلا نامزدہ
گیا تھا۔ اس کے لئے امدادی میں پڑیں گے میں مدد کرنے کا پہنچا
شام کو اتفاق کئے اسے ذوقِ استعمال کرنے کا موقع مل گیا اسے
علم تھا کہ چارکن اوقات میں کماں ہوتا ہے اور اس سے کس طرح ذوق
پر رابط قائم ہو سکتا ہے۔ وہ اسے کہاں کیا جائے؟

پیچاہی لے اور اسی کی حیثیت مصیبت چاہیے۔ جو اپنے بیوی کو کہا اور تباہہ پڑا تم کے
ہدایات میں تماشہ رکھا۔ میرزا علی دین احمدی نے اسی بات پر اپنا نظر پوچھا۔

”تم ہن رہے ہو۔۔۔“

”اس وقت میں بھول گئی تھی کہ انہوں نے کیا کام تھا؟“ بڑی بیٹے نے پتہ تو نہیں لے سکتے۔

”کیا وہ پسخ فتح یوہ ہو جانے کا تحریر کر رہی تھی ؟“ ایں کیا۔

”ایسی تک تو یقین دیکھا ہے کہ... جوچھ کہہ دیا سے کہ جی گزرنے لے بیٹا... یہ شادی ہی کا مقابلہ دیکھ لو،“ پرست کو بھروسہ چاہ کر تمارے ساتھ نسلک گئی تھیں۔

”بھر کشاوی میں کیا کروں جی؟“

”بس کسی طرح نسلک ہی جائیے۔“

”آخر یوہ ہو جائے کا تحریر کیسے کریں گی؟“

”دراستے اس میں کیا رکھا ہے کہ اس طبقے بھروسہ، تمہارے آگے پیچے کوئی بیٹھا ہے کہ لاش کی ڈاکٹری کیا تاپھر ہے کا۔“

”چلی نے ہوتے سکونت حصر ہو رہی تھی لی۔ اور جہاں تھا وہیں بھمارہ گنا۔

اسی شام نے جانے اچانکت کیا ہوا کہ شاہزادہ نے خود ہی اس سے باہر جانکر کر دیا۔

”کیوں؟“ اخترع نے اپنا فیصلہ کیوں تبدیل کر دیا۔ چل نے خالی کیا تھا۔

”بس اسیکم بدل گئی ہے۔“

”کہتے ہوئے کیا آج نئی اٹھاؤ کی بڑک پر سے؟“

”ہیں بے کسر فیماں اسیکم بدل گئی ہے۔“

”لیکن دیکھو دھوکے میں نہ رکھنا۔ پہلے سے تاوینا جب اٹھا نہ ہو جائے۔“

”اب پر بڑی بی باچیں چاہو کر سنتی تھیں اور اپنی ہی رہ گئیں تھیں۔ چل
جیرت سے انہیں دیکھتا رہا۔“
”اس پھر میں نہ پڑیے گا۔“ بیٹا پھر بھی ہوئے۔ دل کی بوئی انہیں نہیں۔
میں پوچھ دیا ہوں کہ دناغی حالت بھی درست ہے یا نہیں۔“
”اے میاں ایسی بد نال تو زبان سے نہ لکھ لئے۔“ بیٹا مرا جا کا پتہ
لگیں۔ چلنا کچھ سیر اور کچھ بھیر۔“
”آخر تر کرنے کے نہیں اور جلد مانے کا سورہ بیٹوں ادیا کر جاؤ۔“ یاد۔
بڑی بی کچھ نہ بولیں لیکن خارصی کا انداز بھی ایسا تھا کہ جی کی ابھی بڑھ گئی۔
اس نے پھر اپنا سوال دھرا یا اور بڑی بی ٹھنڈی سانچے کے روپ میں ”اب
کیا بتاؤں؟“
”عجم کم کسی مدد رہو میری۔“
”اب کیا بتاؤں لیتھا۔“ تھیں باتیں۔
”آپ کے والد صاحب کے خدا کے بعد اسے میاں کا مزار بہت بڑا
ہو گیا ہے اور یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ بات بات پڑھ پڑتی رہتی ہے۔“
”میں نہیں جانتا۔“
”تجربات کا جھوت سوار رہتا ہے بیا پر۔“ بیٹا کے والد کا نظر پڑھ کر
ایک دم بھڑک اٹھی ہیں، کئے بیگن۔ شادی کا تحریر تو ہو گیا اب میں بڑے ہو
جانے کا بھی تجربہ کروں گی۔“
چل سنا ٹے یہ آگیا۔ ٹھنڈی ایسیہے ساز نے جسم کے مخونٹ پڑا تھا۔
”خواری دی رہ مدد ہے لایا۔“ تھی۔ بت جو عجم کے۔
ہو جانے کی برسی کر خوشی بیکھر گک۔ بیکھر پر پاندھی غادر

حشیاب جا بھی پچھوڑتے وہ بھجنالا کر بولی۔ لیکن اس کا دل اپنے دست میں نہ رکھ سکتا۔
بھر علی نسلک جاگا تھا۔ جاتا کہاں۔ لایسید ہے ہوسٹل کی راہ می تھی۔ چاہے زیرہ والا بامبرہ بیان کیا۔ ملکہ بھر کا پھیک تو یا نہیں تھا۔ چاہے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔ بیوہ ہونا چاہتی ہے تو پور جانے دو۔ میں ہمیں کیا فرق طرتا ہے تہماری بھگ کوئی ذوبرا اپنے خلیق کے لامبا۔
کہا جاتے ہو۔ وہ اپنے بھنیں لیکاں کر لو۔ لامبا۔ کہا۔
کہا۔ بڑی لی کے مشوی پر اعل کرنا چاہتا ہوں، لیکن جاؤں کہاں ہو۔
چاکسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی شکاری کی وجہ پر اپنے کام کرنا۔ لیکن اس کے لامبا۔
ن۔ بھوڑی دیر بعد سگریٹ۔ سلکتا ہوا بولا۔ افڑت اتنے درد پوک یخون ہو۔
چل جانے بھنا کر کہا۔ الیڈہ کہیں کہیں تھیں ملک بگرا دوں گی تو مجھے ذرہ بار بھی فکر نہ ہوتی۔ لیکن تم خود سوچو۔ پھر کچھے سے بھر لجھنی لمحہ پتا۔ میں زپبل سکھ کار کرب میں پڑھ کر اچھا۔ بیٹا۔ اس وقت تو یہیں ٹپڑ ہو۔ لمبی سعی کوکھن بگز۔ چاہے میسراری سے کہا۔ جس نے اسے کہا۔
دوسری صبح چاہا تھا۔ ہے آسکا۔ جانے کی طرف اچل۔ دیتا تھا۔ دھلی۔
بیٹ جوں توں قیرط ایٹھے کرنا۔ اور کافی تھا۔ ہماں کا نکلا۔ بھائی۔ نامہ پیدا یاد ہتھی۔ تو نہیں۔ دنہمیڈے سے فون

پرشاہد کی بھرپور بھوکی تھی لہذا اچل کو توقع تھی کہ وہ بھی شاہد کے خلاف ہے۔
بھر علی بھی نہیں کر سکتا۔ اسے فتح کرنے کا انتہا ہے۔
... تا ان کا اندازہ ملک بھیں بخلا تھا۔ ناسیمے اسے دیکھے ہی تھا تو براہ
بیٹہ نیا ایسا تھا۔ بھر بولی تھی تا اور۔ اور۔ آخر تم بھوکیا ہنزہ۔
ن۔ سب سب میں پوچھتے ہیں مجھ سے؟ بی۔ چلے گئے وہ دنک لئے کہا۔
ل۔ ایں تم نے میرا نام بکوں لیا تھا جب کہ میں نے اسی کوئی تاب
نہیں کی تھی۔
کہا۔ اپنے نیم کیا۔ اسہی ہی بڑے۔ نہیں کس نے نام لیا تھا۔ تہمارا اور مم نے
کیسی بات نہیں کی تھی۔
ل۔ کہ تہماری بھگ صاحب کے دادا جان کے متعلق۔
ن۔ لکھ کر میں نے اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے۔
ل۔ کیا شاہد سے اس سلسلے کے تھے۔
ل۔ کیا شاہد سے اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے۔
ل۔ کیا بھر کر کر کیا۔ اس سلسلے میں اسے پہنچا کر لئے تھے۔
ن۔ کیا مسلط؟
س۔ اسے مجھے بخڑا کی اولاد کہا۔ بھر سی۔ مجھے بھی بزرگی والا یاد کیا۔
ا۔ اسے تو ہے۔ کہ بعد میں بھی جھان۔ میں ترکیا کیں لوگوں میں بھینٹ گیا ہوں۔
” تو براہت تھی۔ ناسیمے نے طبلہ نامیں لی پھر۔
ل۔ نہیں۔ می خدا بخواہ مہارا نام بکوں لیتا۔ اُن۔
ل۔ تو بھکے شروع ہو کے دھرتہ نہیں خود کیا بھی ہے اس توں ہم
ان لوگوں کی پورتی مظری بتاؤں گی۔ ہم توک کھر تھے پھیان ہیں۔ تھا۔

پس پا گیری در اصل مہماں خانہ تھے۔ لیکن جس کا ایک حصہ نیز ہے اس تعالیٰ
بین رہتا ہے اتنا سید نے وضاحت کی۔ ”بیاناتیں مخفی ہیں اور بیانیں
”آپ لوگ اسرفیاں سے زیادہ دولت مدد معلوم ہوتی ہیں۔“
چلی گئے کہا۔ ”بیاناتیں مخفی ہیں اور بیانیں مخفی ہیں۔“
”ہماری دولت پشتی ہے۔ . . . نو دو لئے نہیں ہیں۔“ بیانیں
”میرا بھی یہی اندازہ تھا۔“
مشتعل، مارٹنڈیل میں پہنچ کر چلی تو نگ رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ بڑی
پلاکٹ گلزاری یونگ داخل ہوا ہو۔ . . . لشکر کی طرف ملکہ نے نامہ اس
لکھا۔ ”ایہ۔ . . . میرا بھی ساری تصاویر آپ نے بنائی ہیں۔ اس لکھا
کہ اکھلا کر پوچھا۔“
”جی ہاں۔ کیا یہ کیڑے مکڑے ہیں؟“
”کیوں نہیں۔ سال میں چار مرتبہ ہوتا۔“
”کمال ہے۔ مجھے اطلاع ہی نہ ہو سکی۔“
”چلی گئی ایسا انداز
ہیں کہ جیسے آٹھ کا ایک برتقٹ برا پر زد ان اب تک کست نامہ سے متلن
اندھیرے میں رہا ہے۔“
”میرا خیال ہے کہ تمہاری سیستہ ہوں۔ ورز تھیں صفر قلم ہوتا۔“
”وہ تھیں۔“
”اک طرح اسے غریوش سمجھو۔“

بی اموزیہ اچھی بات نہیں ہے تمہیں لوگوں سے ملا جائیں چاہیے ہم خیر اپ
میں نہیں مختلف حلقوں میں متعارف کراؤں گی۔ ملے۔ میں تم آڑ کے نقاد
کیوں نہیں بن جاتے؟ ”ستہ، دہلی، حسن پنجم اسلام آباد۔

”بنا دو۔“ پلی نے بے بی سے کہا اور وہ اُسے شرارت آئینے نظر میں
سے دیکھتی ہوتی۔ سُجرا اُدی تھا۔ ”تھے نیست بے بی۔“
”وَاتَّعِ بِهَتْ بَهْوَلَهُ هَرَفْ“۔

”میں نہیں سمجھتا۔“ کہلایا۔ ”میں کہا تھا۔“
”اب اندازہ ہو رہا ہے کہ شاہدہ کے کہن طرح تم پر چھاپہ مارا جو کا۔“ چلنے
پکھ کرنے ہی والی تھا کہ بیا۔ پرس پے کئی ایش کا خود سنانی دیتا۔
”وہ یونہاں کر کھڑکی کی طرف فڑا تھا اور دوسرا ہی لمحہ میں اس کی
روزخ نام سوگی تھی۔“

بـهـ اـجـيـپـ اـسـطـوـدـيـوـكـيـ طـرـفـ پـلـيـ اـلـرـيـ تـحـيـ اـدـرـجـلـيـ اـنـ پـرـيـلـيـهـ هـرـوـئـيـ انـ
لـرـطـيـكـوـنـ کـوـصـاـتـ دـكـهـ سـكـنـاـتـخـاـجـنـ يـكـيـهـ رـاـقـوـنـ مـيـنـ چـوـغـيـ چـوـغـيـ اـمـكـنـ اـهـلـلـانـ
وـالـيـ کـلـمـاـطـيـيـاـنـ تـعـيـشـ پـيـهـ بـهـ نـيـتـيـيـمـيـنـ اـلـزـيـلـيـ،ـ اـلـهـنـيـ اـتـاـتـکـيـلـيـ
بـرـ شـاهـدـهـ جـيـپـ ڈـرـايـمـوـكـرـتـرـيـهـ تـحـيـ چـوـغـيـ چـوـغـيـ اـمـكـنـ اـهـلـلـانـ
بـهـ يـيـکـوـنـ مـنـ ہـيـ نـاـهـمـدـ نـيـ خـرـتـ بـهـ کـهـاـ اـخـاـ حـدـ الـاـ

نہ لعنت جی پر فتح کئے ہی ترا کیاں نیچے کوڈی تھیں اور جل کے تباہ کے جنم
میں ٹھر فڑی پڑ گئی تھی۔ مادہ کیم میں لائی گئی تھی۔ میں لایج بایج اب کیا
ہو گا کیا کیا۔ میں لایج بایج اب کیم میں لائی گئی تھی۔ میں لایج بایج اب کیا
ہو گا کیا کیا۔ میں لایج بایج اب کیم میں لائی گئی تھی۔ میں لایج بایج اب کیا

”دھلی توجہا نتا تھا کہ وہ کوئی میں لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی بنا پر ناہمیں اہمیں فوری طور پر سچان نہیں کی ہتی۔ چل نے یہ بات اس کی آنکھوں میں پڑھ کر کاموں کے نامہ اٹھانا چاہتا ہے، اگر سچا یا لالہ بھائی“
”شاید تمہاری سیلیاں میں دبیر، ممبعد بھجھے کہیں چھاڑو۔“ اس نے

”تپھر جھاپے کماں جارہے تھے۔“ ایسا یاد ہے۔
 ”تم اجازت حاصل کئے بغیر اندر کیے آئیں۔“ نایابی نہ تھے جو لاتے
 تھے، تھا تو ہو جائیا۔ پس ان کیا مجھے بھی اجازت حاصل کرنے
 کی جستروں تھے۔ میں تپھر اسیں اکٹھا۔
 ”ایسی صورت میں لو ہے۔“ شاودہ کی ایک سہیل نے کھڑا رہی ہے چل کی
 طرف اشارہ کر کے کہا۔

”مکل جاون بیان کریں تم سبب نہیں بلکل جاؤ۔“ نامہ مدد حنفی ہوئی
جس آگے بڑھی تھی اسی سبب پریساپ نہیں بلکل جاؤ۔“ نامہ مدد حنفی ہوئی
”تم آگے بڑھایا تو جھٹے سی گردان اڑ جائے کی۔“ شاہدہ کلمائی پی
تنان کر لابول ہتھی۔ اور جلی کے گھٹنوں میں تحریر تحریری بڑگی ہتھی۔ لے کر اس پر
اوہ را کیک را کی نے اپنی تینوں ساھیوں کی کلمائیاں سنبھال لی قصیر اور
وہ تینوں میں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔

”اُس نے اُسے کہ بخوبی کیا ہو رہا ہے۔ آٹھا کارے چلو جیپ میں۔“ اُس نے آٹھیں لکھ کر۔ نامیدا جب تھی کھڑی رہنی۔ پہنچنے کے لئے کھڑکی کے پیارے دل کے لئے۔ ”عورت توں پر بیڑا اُنہوں نے گا چاہے وہ بچے مار ہی کیوں نہ ڈالیں۔“ چلنے والے اُس وقت کا جب ٹانگاٹوی رکے جیپ کی طرف لے جایا جا رہا۔ ”نکھستے کرو۔“ یعنی تمہارا انعام ضرور لوں گی۔ ”نامیدا خذیلہ“ ٹانا کرنے کے سے انداز میں باختم ملا کر کہا تھا۔

”تم کس بات کا نتھاں لوگی بی لومڑی۔“ شاہزادہ نے آنکھیں نکال کر رچا۔
”اس نظم کا جو تم لوگوں نے اس مقصود پر ڈھایا ہے اور اب سلسلہ ذیل
کے جاری ہے ہو۔“

”محبوب“ نامه مید آرک کر بولی - پسرانه تسبیح و تقدیر

”جمام خاں صاحب کی پوتی بھلا اور کیا کرے گی“
شادہ نے طیش میں آکر کھاڑی گھادی۔ ناہیدا چھل کر پچھے ہٹ طگی

اور پھر اُس نے تارپن کے تیل کا بہراٹھیا جھا اور شابدہ کے مٹپر چھپے مارا تھا۔

چھر کلہاڑی اُس کے ہاتھ سے چھوٹی ہی تھی کہ ناہید نے اس پر چھلانگ لگادی۔ ادھران دذنوں میں دھینکا مشتی ہنور ہی تھی اور ادھروہ تینوں علی کو جیپ پر ڈال کر بیٹھی تھیں۔

دیکھی پر گرفت کہی قدر ڈھیلی ہو گئی۔

”مجھے اسی طرح دبپسے ملیٹھی رہوں گے۔ دنورنے میں بھاگ خاؤں گا۔“

پھلی سے بھرائی ہوئی ادا نہیں کہا تھا۔

”اے سا پڑھ ای مدد حنی چاہیے ۔ دوسری بوجی ۔“
”ماں نے نہر نہر ایسی داتی، ٹھاکر جاؤ اے گا۔“
”مختیار و حکیم نہیں۔“

لے گئے۔

”میں دیکھ رہی ہوں ناہتید کمزور پڑھ رہی ہے“ تیسری بندے کہا۔
”بیکار ادھر ادھر دیکھ رہی ہو۔“ چل جلدی سے بولا۔ مجھ پر تو جر کھو
کہیں تم تینوں کو دھلیل کر جہاگ نہ جاؤں۔“

”تم نہیں بھاگ سکتے۔“

”اسی صورت میں جب تم تینوں ہی مجھے جڑ کے رکھو۔“

”ناہتید تینیں یہاں کیوں لاتی ہیں؟“

”میں خود آریا تھا۔ وہ کیوں لاتی ہے؟“

”وقت کیوں آتے ہیں؟“

”اس کی بنائی ہوتی تصویر پر دیکھو۔“

”بڑی بیانے والی بیانیں میں جانتی ہوں۔“

”کیا سطلب؟“

”دو تین مغلیں آڑٹ پکڑ رکھے ہیں۔“

”واہ۔۔۔ میں نے ایزل پر ایک نامکمل تصویر بھی دیکھی ہے۔“

”وہ بھی آئتی سے بنواتی ہے۔ جب کسی مہان کو اسٹوڈیو میں لاتی ہے تو
اُس سے گفتگو کرتے وقت بڑے اسماں سے برش اٹھا اٹھا کر صرف
بیک گراڈ میں رنگ لگاتی رہتی ہے۔“

چل کچھ نہ بولا۔ اسٹوڈیو میں اب بھی ہر لوگ جاری تھی۔ دلوں
پرچم پیچ کر ایک دوسرے کی ہسترنی دہراتے جا رہی تھی۔

چوہنی جو چاروں کھڑکیوں سمیت اگلی سیٹ پر تھی مضطرباً انداز میں
بوکی۔ دراصل مجھے زدائی بھڑائی کا کوئی علی تجربہ نہیں ہے ورنہ میں شاہد کی

مدد کرتی۔۔۔“
”توم یہاں چل آؤ۔۔۔“ چل نے کہا۔ ان میں سے کوئی مدد کو جیل
جائے گی۔۔۔ دراصل میں تین کے قابو میں نہیں رہ سکتا۔“
”افسوں کے مجھے اس کا بھی کوئی علی تجربہ نہیں ہے۔“ چوہنی ٹھنڈی
سالمن لے کر بولی۔

”وپھر گھر سے کیوں نکل پڑی تھیں۔۔۔“ چل نے لفڑی تھیں کہا۔
”تمہارے شور و دل کی صورت نہیں ہے۔ چپ چاپ بیٹھے رہو۔“

”ویھی افڑا نہوں نے حکم اشروع کر دیا۔“

”تم چپ چاپ بیٹھے کیوں نہیں زہتے۔ ایک نے کہا۔
”سمال کر دیا تم نے۔۔۔ اگر وہ دونوں بہت زیادہ زخمی ہو گیں تو۔“
”اچھا جا فات بات ختم کرو۔۔۔ میں صرف دو ہی کے تھے میں رہ لوں گا قھوڑی
دیں تک۔“

”ابھوڑا وعدہ تو نہیں ہے۔۔۔“

”مردوں کی زبان ایک ہوتی ہے۔ کوئی ایسا ویسا سمجھا ہے تم ہے۔“ چل
غصے لے جبے میں بولا۔ وہ جیپ سے کوڑا سٹوڈیو کی طرف جبھی۔۔۔

”ویکھو ازیادہ خون غزارہ ہونے پاے۔۔۔ اگلی نیٹ والی نے کہا۔“ اب
پیچ کیا ذکار دست سے۔

”یہ تو نے حد در پوک معلوم ہوتی ہے۔“ چل نے دونوں سے کہا جو اسے
جکڑے سے بھی تھیں اور وہ دونوں پس پڑیں۔

”میلا اس میں بھنسے کی کیا بات ہے۔۔۔ چل نے پرتر سے کہا۔
”وہ نسل پڑھتی ہے اور اس نے اپنے ذالین سے مشورہ کر رکھا ہے کہ

جدل

بلکہ حق نہیں لے گی۔
یہ کیا ہوتی ہے؟

”یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔“ اسی نے بتایا تھا۔
”کیا پتہ ہے صوفیہ؟“ دوسری نے پوچھا۔
”ارتقا کی مصوری میں پڑھو میرتے پاس سمجھانے کا وقت ہیں ہے۔“
”تمیں اس وقت کون سی صرفیت ہے کہ وقت نہ ہونے کا روزا فرمی ہو؟“
”تم غلط سمجھی میرے پاس رواناروئے کا بھی وقت نہیں ہے۔“

”واقعی ظاہر معلوم ہوتی ہے۔“ پلی آہستہ سے لولا۔
”میرے پاس کچھ معلوم کرنے کا بھی وقت نہیں ہے۔“ انکی سیٹ والی نے
”اب کچھ نہ کتنا۔“ پلی نے ان دلوں سے کہا۔ ”یہ آہتا تھی۔“
پھر انہوں نے شاہدہ کا استوڈیو سے برآمد ہوتے دیکھا! اس کا لایاں جگر۔

جگہ سے بھٹا ہوا تھا۔ میر کے بال جھاڑ جھکاڑ ہوتے ہے اور وہ لڑکھاتی
ہوتی جیپ کی طرف بڑھی آرہی تھی۔ میری رُکی نے بائیں ہاتھ سے اُس
کی کھماڑی سنجھاں رکھی تھی اور داشت سے اُنسے سہارا دے رہتی تھی...
نامہید دروازے پر کھڑی لظر آئی۔ اس کی حالت بھی شاہدہ سے مختلف
نہیں تھی اور وہ مسلسل کے جا رہی تھی۔ دیکھ لوں گی کیتا نہیں۔“ دیکھ لوں
گی اُر اُسے کوئی گزند پہنچا۔

لیکن زندہ آگے بڑھی تھی اور شاہدہ ہی نے بُٹ کر بچھوڑ کرنا تھا۔ نیم
سیموشی سکے سے عالم میں انکی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی اور جو تھی رُکی صوفیہ نے

انجمن اشارت کیا تھا۔

چلی خاموش رہا۔ خود سے شاہدہ کو نہیں چھپرنا پا تھا تھادہ انکی سیٹ پر
بیٹھی بانپت رہی۔

کافر قیز رفقاری سے کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مگر کافراستہ
تو نہیں معلوم ہوتا تھا اچھی کا دل چاہا تھا کہ پوچھ لے لیکن پھر بہت نرڑی۔
فلسفرا کی شاہدہ سے کہ رہی تھی۔ ”تمیں کیا ملا اس لگ دوئے...؟“
”دماغ دوست کر دیئے کیتا کے۔“ شاہدہ بانپتی ہوتی بولی۔
”خود بھی تو طوٹ پھوٹ گئی ہو۔“

”کیا فرق پڑتا ہے۔“
”میں تمیں اپنے گھر لے جا رہی ہوں۔“

”کیوں؟“

”میرے کپڑے تم پر قٹ آ جاتے ہیں۔“ ان پچھٹے حاون اپنے گھر گئیں
تو لوگ کیا سمجھیں گے۔

”اس کا لودھیاں ہی نہیں تھا۔“

”اور اپنے گھر لے جانے کی ہمت اس لئے کہ رہی ہوں کہ اس وقت گھر
خالی سے نہ سب لوگ ایک تقریب میں شرکت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔“
چلی کو خشت ہیرت تھی کہ شاہدہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی۔ اُسے
تو پچھاڑ کھانا چاہیئے تھا۔

”کیا تم سورہ ہے ہو۔“ دفعاً ایک رُکی اُسے چھخوڑ کر بولی۔

”تمیں کیا تکلیف ہے۔“ پلی نے بچھا کر کہا۔ ”بور ہو کر سو روں کا نہیں تو
کیا چھلانگیں لگاؤں گا۔“

"مجھے انبوس ہے ڈارلنگ" اُنکی سیط سے شاہدہ کی آواز آئی۔
"کیا مجھ سے کچھ کہہ رہی ہوں" چلی چونک پڑا۔
"تمہارے ملاادہ اور کے ڈارلنگ کہہ سکتی ہوں" چلی کو اپنی ساعت
پرستین نہیں آیا تھا۔ لہذا اُس نے اپنا سوال دُھرا یا۔
"ماں ماں میں تم سے مخاطب ہوں" اور پوری طرح ہوش میں بھی ہوں۔
"کیا تم دیکھ نہیں رہے؟" "میں نا انصاف نہیں ہوں" میں نا انصاف تھے۔
"بات پتے ہی نہیں پڑ رہی۔" "چلتے بے لہی سے کہا۔

"ایکھی بات ہے تو پھر بھی سمجھیں نہیں آ رہا۔" وہ جھلک کر بولی۔
"میں تو خاموش ہی تھا لیکن تھی خواہ مخواہ ڈارلنگ ڈارلنگ کرنے
لگی تھیں۔" "لوگ الفاظِ صنائع کرنے کے عادی ہونگے ہیں" فلاں سفر لڑکی صوفیہ
کی آواز آئی۔
"تمہاری یاتیں نہ رکھتی، میں بھی تم خاموش رہو۔" چلی نے غصے لے
جیں کہا۔
"تم نے ایک بیوقوف آدمی سنتے شادی کی ہے شاہدہ" نظرِ قمر سرو بچے
میں بولی۔

"لے موقع بکواس سے اخراج کرو" شاہدہ نے کہا۔
"ٹھیک ہے مجھے کیا۔ اگر تمہیں بیوقوف ہی پسند ہے۔"

"تم تو انلاطون سے بیا ہی جاؤ گی شاید" چلی نے ہانک لگائی۔
"وہ بھی بے دوقت ہی تھا۔"
"عقل من تصریف تمہارے والد صاحب معلوم ہوتے ہیں۔"
"اس سے بڑی یہے دوقت کیا ہو گی کہ میرے باپ ہیں۔"
"آخر تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟"
"ایک بیوقوف کی بیٹی"
"خود کیا ہو؟"
"کہہ تو دیا کہ ایک بیوقوف کی بیٹی"
"تمہاری والدہ کی طرف سے بیوقوف ہیں یا سونی صدائی خمرداری
پر؟"
"چپ بھی رہو ڈارلنگ" شاہدہ بول پڑی۔ "آپس میں جنگ لٹنے سے
کیا نامدہ"
"میں ان مجرم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر انہوں نے پیدا
ہوئے سے انکا کیوں نہیں کر دیا تھا۔"
"تم بات بڑھا رہے ہو۔ چپ بھی رہو۔"
"میں ایک بار چھکتا ہوں کہ تمہاری یہ سیل زمین کا بوجھ میں نہیں
کسی بات کا کوئی عمل بخوبی نہیں ہے۔ بس یوس ہی ٹائیں ٹائیں کھیا کریں
میں۔"
"میں اب تمہیں اپنے گھر نہیں لے جاؤں گی شاہدہ" صوفیہ آپ سے بے
باہر ہوتی ہوئی بولی۔
"اپنے نہیں۔ آخر کیوں؟" شاہدہ بوکھلا گئی۔

۔ ”بلی نیز ہماری دوستی کا آخری دن ہے۔“
”کیسی الٹی سیدھی بائیں کر رہی ہو۔“
”تم خواہ خواہ اپنے الفاظ خداوند کرو۔ میں تمیں اپنے گمراہی صورت
میں لے جاسکتی ہوں جب یہ شخص ہمارتے ساختہ نہ ہو۔“
”سہیلی کے شوہر کو یہ شخص کہہ رہی ہو۔“ پتلی طرب کربلا۔
”تم چپ رہو۔“ شادہ جملہ کر پلی۔ ”میں اس سچھے نالوں گھر نہیں
جا سکتی۔

”اچھا تو پھر مجھے گاڑی سے آتا رو جیسا کہ یہ عورت کہہ رہی ہے۔“
”میں عورت نہیں لڑکی ہوں۔“ ”صوفیہ نے غسلے لایے میں
کہا۔

”غلطی ہوتی مختصر“ چلی نے جلے کے انداز میں کہا۔ ”اگر چالیس کی عمر تک
شادی نہ ہو تو لڑکی عورت ہی کہلاتی ہے۔“

”میں تمیں چالیس سال کی نظر آتی ہوں۔“ وہ زور سے چھینی۔

”نظر تو چار سو سال کی آتی ہو۔ بیوی کی سہی سمجھ کر مروت میں چالیس سے
آگے نہیں جڑھاتا۔“

”صوفیہ نے سڑک کے کنارے گاڑی رُوك دی اور شادہ نے بولی۔
”اپنے شوہر کو گاڑی سے آتا رو۔“

”ارے وا“ چلی ماخنچا کر بللا۔ ”ابھی تو صرف لیڈوں ہو جائے چرچی
تو کرو۔“

”یہ کیا کہ رہا ہے تمہارا شوہر؟“
”پورا ایڈ و پھر چاہیتے مجھے۔“ شادہ کے بولنے سے پہلے ہی چلی بولی۔

پڑا
صوفیہ اور شادہ کے علاوہ سبھی ہنس پڑی تھیں۔
”اچھا تو پھر میں خود ہی اُتر جاتی ہوں۔“ صوفیہ بولی۔
”نہیں۔ نہیں“ شادہ مضبوط سے اس کا بازو پکڑا تھی ہوتی بولی تھی اور
چلی کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ ”تم اُتر جاؤ گھاری سے۔“
”کیا مجھ سے کہہ رہی ہو۔“ چلی نے بلے اعتباری سے پوچھا۔
”ہاں تم سے کہہ رہی ہوں۔“
”اور پھر اتنی اچھل کوڈ میانے کی کیا ضرورت تھی۔ فون کر دیا ہوتا کہ
ناہید کے اسٹوڈیو نے نکل کر سیدھے گھر پہنچ جاؤ۔ غیرہ غیرہ میں جارہا
ہوں۔“
”تنه نہیں۔ یہ تینوں بھی۔ تمیں اپنی بھگانی میں گھر پہنچا یا
گی۔“

”بھی تھماری مرضی“ چلی بظاہر مردہ سی آواز میں بولا لیکن دل میں تو
سرور و انبساط کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔

”تم ایکے نہیں۔ یہ تینوں بھی۔ واہ۔۔۔ بیوی ہو تو ابی
ہو۔“

شادہ نے اپنی تینوں سیلیوں کو چلی سے تعلق کچھ مہایات دی تھیں اور
انہیں گاڑی سے آتا رو دیا تھا۔

پھر جب تک گاڑی روانتہ نہیں ہو گئی تھی وہ چاروں فٹ پا تھا پر
کھڑے رہے تھے۔

”سخت پاؤسی ہوتی ہے۔“ چلی بُرا سامنہ بنانکر بولا۔

”یکوں ہے“ تینوں اُسے گھوڑے نے لیکن۔
 ”یہ بھی کوئی ایڈ و پچر ہوا۔“
 ”ہاں کچھ پھٹس سے ہو کر زہ گیا ہے ॥ دوسرا نے کہا۔
 ”تم چاہو تو اس میں جان ڈپکتی ہے ॥“
 ”وہ کس طرح“
 ”یہیں کھڑے کھڑے بتا دوں۔ اسے جلوکیں بیٹھتے ہیں کسی ریتوڑان
 میں ॥“
 ”نہیں نہیں۔ ॥ گھر حلپہ“ تیسرا جلدی سے بولی۔
 ”نقالی کھلتی ہو امریکن لٹکیوں کی لیکن رگوں میں خون کی بجائے لعوق
 پستان دوڑ رہا ہے ॥“
 ”کیا کہنا چاہتے ہو ॥“
 ”کچھ نہیں جاؤ جو ماہاندی کرو ॥“
 ”تم ہماری لوہیں کر رہے ہو ॥“
 ”ہو ہی اسی قابل۔ ॥“
 ”آخر کیوں؟ کہنا کیا چاہتے ہو ॥“
 ”اگر تمہاری جگہ امریکن لٹکیاں ہوتیں تو مجھے گھر پہنچانے کی بجائے غائب
 کر دیتیں ॥“
 ”کیا مطلب؟“
 ”اور پھر وہ ہوتا جیقی ایڈ و پچر“
 ”اہل۔ لیکن تمہیں کیسے غائب کیا جاسکتا ہے ॥“
 ”یہ بھی بھی سے پوچھو گی۔ ہاں ہاں کہہ دو کہ تمہیں بھی اس کا عملی تجربہ

”نہیں ہے“
 ”واقعی نہیں ہے“
 ”مجھے کہیں اور نے چلو“
 ”کہاں لے چلیں ॥“
 ”جہاں دو تین دن تک بند رکھو ॥“
 ”تینوں نے حریت سے ایک دوسری کی طرف دیکھا تھا اور بھر خپل کو
 گھوڑے لگی تھیں۔
 ”شاید بھی نہیں“
 ”انہوں نے ایسا سے نقی میں سر ہلاتے تھے۔
 ”مجھے انگوڑا لو“
 ”کیوں نصوص باتیں کرتے ہو ॥“
 ”مت کرو امریکن لٹکیوں کی نقالی۔ ॥“
 ”کھربناویاں پ لوگوں کے
 اور سنبھالو پانڈاں ॥“
 ”اچھا کس طرح کریں انہوا۔“ ایک نے سوال کیا۔
 ”کہہ تو دیا کہ گھر پہنچانے کی بجائے خود فضہ کرو ॥“ چھوڑ پ۔ شاہدہ
 سے کہہ دیتا کہ مجھے چھاک پر چھوڑ کر خود اپنے گھروں کو چلی گئی تھیں ॥
 ”اس سے کیا ہو گا؟!“ یعنی تیجھر کیا نکلے گا اس کا
 ”آدمی۔“
 ”صف صاف کہو“
 ”اُس سے کہا جائے گا کہ اُس کا عزیز از جان شوہر خطرناک لوگوں کے
 قبضے میں ہے اور وہ خطرناک لوگ ایک بڑی رقم وصول کئے بغیر اُس نے نہیں

چھوڑیں گے۔

”کتنی رقم“

”تم لوگ خود ہی مقرر کر دو رقم بھی“

”وہ خاموش ہو کر کچھ سچنے لگی تھیں، وفعاً ایک لڑکی زور سے ہنس پڑی۔“

دونوں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

”یہ حضرت ہمیں جعل دے کر بکل جانا چاہتے ہیں۔“ اُس نے کہا۔

”اچھا... اچھا...“ ان دونوں نے منعی خیز نظروں سے چلی کی طرف دیکھا۔

”جب تین ناقص العقل اکٹھا ہو جائیں تو چھ تھا بھی بیرون قوف ہو کر رہ جائے گا۔“

”کیا بات ہوتی؟“

”کچھ نہیں، یہاں کی عورت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔“

”چلو بھی ساری اب تم کچھ چلو۔“

”ایڈوچر۔ پیدا۔“ کیا۔

”ہاں ایڈوچر کیا یہ ایڈوچر نہیں تھا۔“

”اُف۔ فو۔“ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے ڈاکووں کے

پندے سے پالاتی ہوں۔ وہ بیچاری ایک یہ جی سادی آرٹسٹ مجھے اپنی

تصویریں دکھارہی تھیں۔“

”وہ نیوں ہنس پڑی تھیں اور پھر ایک نے کہا تھا۔“ بیچارے کو کچھ پتہ

ہی نہیں ہے۔“

چھوڑیں گے۔

”کتنی رقم“

”تم لوگ خود ہی مقرر کر دو رقم بھی“

”وہ خاموش ہو کر کچھ سچنے لگی تھیں، وفعاً ایک لڑکی زور سے ہنس پڑی۔“

دونوں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

”یہ حضرت ہمیں جعل دے کر بکل جانا چاہتے ہیں۔“ اُس نے کہا۔

”اچھا... اچھا...“ ان دونوں نے منعی خیز نظروں سے چلی کی طرف دیکھا۔

”جب تین ناقص العقل اکٹھا ہو جائیں تو چھ تھا بھی بیرون قوف ہو کر رہ جائے گا۔“

”کیا بات ہوتی؟“

”کچھ نہیں، یہاں کی عورت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔“

”چلو بھی ساری اب تم کچھ چلو۔“

”ایڈوچر۔ پیدا۔“ کیا۔

”ہاں ایڈوچر کیا یہ ایڈوچر نہیں تھا۔“

”اُف۔ فو۔“ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے ڈاکووں کے

پندے سے پالاتی ہوں۔ وہ بیچاری ایک یہ جی سادی آرٹسٹ مجھے اپنی

تصویریں دکھارہی تھیں۔“

”وہ نیوں ہنس پڑی تھیں اور پھر ایک نے کہا تھا۔“ بیچارے کو کچھ پتہ

ہی نہیں ہے۔“

”کیا پتا نہیں ہے؟“
 ”سب صحیح ہے جلو۔“
 ”کیا پیدا ہیں؟“ پلی جنجن جنکار لولے۔
 ”ٹیکھی کر لولے لیکن ہمارے پاس ایک پسر بھی نہیں ہے۔“
 ”تو میں کون سا قاردن کے خزانوں پر مظہما ہوں ہوں... راہ بھی...“
 اس طرح اٹھایا بھی جاؤں اور ٹیکھی کا کرایہ بھی خود ہی ادا کروں : . . .
 ”آپ کی بنگ صاحبہ کرایہ نہیں دے سکیں... پیدا ہی جاننا پڑے
 گئے۔“

”کیا سچ قرع تمہاری جیب میں کچھ نہیں ہے؟“ ایک لڑکی نے چلی سے
 تیکھرا امیر بھی میں پوچھا۔
 اُس کے جواب دینے سے پہلے ہی دوسروی بولی۔ ”جلادوں نہ شہزادے
 ہیں... بادشاہ سلامت نے عاد بھی کر دیا ہے...“
 ”ذاتیات پر حملہ کیا تو مجھے یہاں سے ہلا بھی رہ سکو گی۔“ چلی آنکھیں
 لکھاں کر لولے۔
 ”کیوں لکھا کر رہی ہو؟“ تیرقا نے اُس سے کہا جس کی یادوں پر چاند
 بگڑ گیا تھا۔

”جھے نفرت سے اس طبقے میں چاہتی ہوں کہ یہ اُس میں لڑکوں
 فنا ہو جائیں۔“
 ”وسم کس طبقے سے تعلق رکھتی ہو؟“ پلی نے سوال کیا۔
 ”جاگیر دار یا سرمایہ دار طبقے سے میرا تعلق نہیں ہے۔“ وہ نفرت
 سے ہونٹ سکوڑا کر لولی۔

"تب پھر شاہد میں تھماری دوستی میں نہیں آئی اس کا باوابی بھی خطاب
یافتہ ہے . . . سروں اور نوابوں کے زمرے میں شامل ہے۔"

"میں اس طبقہ کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں . . .
سب کئے کی باتیں ہیں۔ مجھے دیکھو۔ میں ہموں اصلی و الاصلیک"

"کیا مطلب . . . ؟" "دارا ہی اور شادی کے تقبیخوں میں۔ دراصل میں نے بڑا عین پر
عقلام کے خلاف اداز اٹھائی تھی اسی نے عاق کر دیا گیا ہوں . . . جلا
دارا ہی اور شادی میں کیا رکھا ہے۔"

"ست . . . تو . . . تم سو شلٹ ہو۔" "چلی ڈھنائی سے بولا۔" "غالص ڈیلو میسی۔"
چلی نے سوچا "ماں" کردیتے ہیں کیا مصالوں ہے جب کہ آئندہ آہستہ
سارے ہی جاگیر دار اور سرمایہ دار سو شلٹ ہوتے ہارے ہیں۔

"ماں۔ میں سو شلٹ ہوں۔" "تو پھر شاہد سے شادی کیوں کریں۔"
اویسے کو اوستے نے کانے کے لئے۔ تھماری طرح میں بھی یہی چاہتا
ہوں کہ یہ طبقات آپس ہی میں لاڑ کر فا ہو جائیں . . . تک شاہد نے
تمین دھن خط دکھایا ہا۔ جسیرے ابا حضور نے سر نیاض کو لکھا ہے۔

"ماں دکھایا تھا۔" "اس طرح میں نے دھاگیر داروں کو لڑوا دیا۔ عقریب ابا حضور
دوڑھائی درجن گھواروں کی فوج یہاں جھیں گے۔ ہوس فیاض کی کوئی کوشش
نہیں کر کے رکھ دے لی۔"

"واقعی اُس لڑکی کی آنحضرت پچھے لگیں۔"

"ماں کامیڈی۔" "تب تو توبت اپنیوں ہی میں سے ہو۔ اچھا میں تمیں بتاتی
ہوں کہ اصل قصہ کیا ہے۔" "تم چپ رہو۔ اپنے یہ پ سے تعلق برکتے والے کسی آدمی کو دھوکہ
نہیں دے سکتی۔" "فاغرہ نے تیر لمحے میں کہا۔
"یہ حضرت اول درجے کے بھرٹے ہیں۔ شاہد کے لئے رو تے پھرتے
ھے۔"

"وہ حکمت عملی تھی۔" چلی ڈھنائی سے بولا۔ "غالص ڈیلو میسی۔"
"میر تمیں بتانی ہوں . . . " فاغرہ نے پھر اسٹارٹ کی۔
"تم اچھا نہیں کر رہیں۔" شاہد سے دوستی کا تو خیال کر تو۔
"میں صرف اپنی آئیڈی یا وجہ کی دنادر ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" "تم اتنے چاند سے مکھڑے پر دوبارہ دارا ہی دیکھنا پسند کرو گی۔"
اس نے چلی کے چہرے کی ہفت اشارہ کیا تھا۔

"ن۔ . . نہیں۔ . . ." "وہ کہتی قدر پچھا ہمٹ سے بولی۔ چلی
کے چہرے پر اس کی لگاہ جم کر رہ کئی تھی۔

"تو پھر ان پر یہ طیل نہ ہونا چاہئے۔ جم کردہ دیں گے کہ پیدل گھر کی
ھفت جاڑتے ہیں۔ ایک طرف نکل جائے۔"
چلی الجھن میں پڑ گیا۔ آخر قصہ کیا ہے؟ اس پر ایسا کوئی سائل ہوئے والا

”نہیں۔ تم مذاق بخوبی ہو تو اُن کی طرف روانا اللہ ہے۔“
 پسیکار نے والے کی قسم یعنی ہم لوگ اندر بردستی بھیجے جاؤ گے۔ اور دو پہلوان
 تمہارے سامنے ہوں گے کچوں جبکہ ذکر سکو۔“
 ”یہ تو انتہائی غیر سوشل حرکت ہو گی۔“ چلی نبڑی پر تشویش بھیجیں گے۔
 ”ہم لوگ یہی اسے کھو لو۔“

سوشل ایڈم کے کاڑ کو نقصان پہنچے گاں شے یونیورسٹی

”پھر سوچنے لگی۔ ایک لڑکی نے فاغرہ کو ٹوکتے ہوئے پھلی سے کہا۔ ”ضول ہے، تم شاہدہ کی دستبرد سے نہیں بچ سکتے۔“ میں بچاؤں گی، فاغرہ گردان اکٹکر بولی۔

اگر تم انہیں سعینہ کے رکان ہوں تو رکھو گی [www.](#)

ہے جسے یہ کامر ڈپند نہیں کر سے گی۔ اور بھری یہ دارجی کا حوالہ کیسا۔ تھوڑی سی بحث و تکرار کے بعد بالآخر تینوں آنے پر متفق ہو گئیں تھیں کہ چلی کو اصل بات بتادی جائے گے۔ ”سنو“ فاغرہ بولی۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ اب تم تید کر دیئے چاہے کہ اور اس وقت تک تید رہنگے جب تک کہ دیسی ہی دارجی دربارہ نتیار ہو جائے جیسی پہلے بھتی۔ ”اور سنو“ ایک نے کہا اور وہ سب ایک دوسرا کو معنی خیز نظرؤں سے دیکھتی ہوئی ہنس ٹیری ہتھیں۔

”ابے! یہ یوں کچھ بتاؤ گی تھی یا یونہی ہنسنے جاؤ گی یہ تم کھڑو جھوٹ نامارا بُری“
”تمہاری سادگی پر ہنس رہے تھے۔“ فاغرہ نے سینیدگی اختیار کرتے ہوئے لاما بُری کے سخنے میں بھنسنے ہوئے۔

”پہلے کسی نے بھی نہیں بنایا تھا۔“
 ”پہلے تم ہمیں ملے کب تھے؟ ورنہ شاہدہ مارخواں والے سمجھتی تھی تو پہلے۔“
 ”اب تو مل گیا ہوں“ عقیل زدڑا شاہو کر بولا۔
 ”اب سوائے ہندو دوئی تکے کیا کر سکتے ہیں۔“

”کیا حرج ہے مکان کی نگرانی بھی ہوتی ہے؟“ تامنہ سی
”بالکل۔ بالکل“ چلی جلدی سے بولا۔ ”بالکل چوکیداروں کی طرح نگران
کروں گا۔“
”لیکن کھاؤکے کہاں سے۔ تم کہتے ہو کہ تمہارے پاس بھوپالی کوڑی بھی
نہیں۔“ وہی راتکی لوگی

"دیکھا جلتے گا۔ فی الحال سرچھپا نے کوہنگ چاہئے۔" لس پھر حلی کو اس مکان میں پہنچا کر تینوں رٹکیاں سرفراز کی کوھنگ کی طرف دوڑ گئی تھیں۔

چھوڑوں پر شسل خاصی گشادہ عمارت تھی دون بھی موجود تھا۔ چلتے کمی
قدراً ملیناں کا سائنس لیا۔ کم از کم چکار کروائنے اخوان سے آگاہ کر کے گا۔
خش قسمی سے وہ اسی ببر والے دون پر بن لی گی تو جو اس نے پہلی بار واپس کئے
کئے تھے لیکن حل کی آواز یہ مہانتے ہیں جما کر کرچکھے کئی طریق عابا۔

اے اب کیا اپنی فریں بھی مجھے ساتھ لے جائے گا۔“ دوسری طرف بنتے آواز آئی اور علی کا نپ گیا یونک چاہکے علاوہ اور کوئی ایسا انداز نہیں آتا تھا، جو اس سرماںہ میتم کے سر پر پاٹھ رکھ سکتا۔

خون ”چاہنہ تھا سے درود آخیر کن نے چھٹایا ہے مجھے اس بھال میں۔“

”اب لامعاشت طریقے ہے۔“

چلی نے ایک ہر سالیں میں پوری کمپنی دھیرا دینے کی کوشش کر دی۔
”ایسے ٹھہر ٹھہر کر بول“ دوسری طرف ہے اداز آئی۔ سمجھنے بھی دئنے۔ اُس پر چلی کی اتنی حوصلہ افزاتی ہوتی کہ اس نے دلیپ کمار کے سے خاتمال ایڈ

میں بالہ اس ترویج کر دیا۔ ”
سب کچھ سننے کے بعد چانے قبھر لکھا تھا۔
”اب تم بھی منحکم اڑاؤ گے۔“ جل ناک کے نیل بولانا
نہیں بیٹھے۔ پھر سہت کمانی ہے۔ تو وہ لونڈیا ناہید جی دار علوم
ہاتھی نہیں۔ اس گھرنے سے بھی میں واقف ہوں۔ تمہارے پیشہ
والوں سے زیادہ بالاز میں وہ لوگ ”
”اچھا تو چھر۔“
”اگر وہ لڑکی صدر پر آگئی تو حصہ طول سکتے یا کام
سوال قویں ہے کہ اس وقت میں کیا کروں۔“
”پندرہ دن لوسوٹ، ہی بن کر نکال نے جاوے گے
لڑکی فاغرہ کیسی ہے۔“
”خاصے مردانہ انداز والی ہے۔“
”مطلوب یہ ہے کہ کسی حد تک تمہارا شاہد بے سکے گی۔“
”اوچا کام کی بات کرو۔ اس کیوں پر تجھے نہیں کر سکتا۔“
”نیالی پورشن کیا ہے تمہاری۔“
”صرف چار روپے باسٹھ پیسے جب میں پڑتے ہوئے میں
انہیں بھی خیرات کر دے۔“
”کیا مطلک۔“
”دو چار ناقلوں کے لغیر بھے عمل نہیں آئے گی فرزند۔“
”لیا ابھی اور عقل اپنی جائی۔“
”جس فون پر باتیں کر رہے ہیں اس کا نہ نوٹ کراؤ نے پہنچا۔ اگر

خوٹری دیر بعد کچھ سوتھ سکا تو مطلع کر دوں گا۔”
 ”خوٹری دیر میں تو میرا اڑاٹ فیل ہو یا سے گا۔“
 ”اگر خواب نہ ملتا تو بھائیقین آجائے گا کہ تم مرا چھے ہو۔ بہرحال نہ رُٹ
 کرو۔“
 ”چلنے سب مہابت اس اثر منٹ پر کچھ ہوئے میرچا کو نظر
 کرتے تھے اور چجانے دوسرا طرف سے سلسہ منقطع کر دیا تھا۔
 اب کیا کرے۔ وہ سر پر ہاتھ رکھ کر سچنے لگا۔ پتہ نہیں اس سے بعد
 نامہید پر کیا گز ری ہو۔ لیکن نہ اُس سے بھی فون پر رابطہ قائم کیا جاتے۔
 تبرڈا تیل کے کسی ملازم نے کمال ریشود کی بھی۔ چلنے اپنا نام بنا
 نامہید سے ملنے کی خواہش خاہر کی۔
 ”خوٹری دیر بعد نامہید کی آداز آئی۔
 ”اوہ۔ ڈیر۔ کماں سے بول رہے ہو۔“

”کیا حال ہے تھا را۔“
 ”بچھے بیقین ہے کہ گھر پر نہیں ہواں وقت۔“
 ”تم طبیعت سمجھیں۔ بچھے میری مرضی کے خلاف کوئی ملا بھی نہیں سکتا۔
 میں نے شاہدہ کا منصوبہ ناکام بنادیا۔ پرانی بیجی سے صلاحیت کا
 دی تھی۔“
 ”کہیں چوت لو نہیں آئی میری جان۔“ اس نے دندن اک بچھے میں
 بچھا اور علی اس طرز تخلیق پر لستہ خلیقی ہو کر رہ گیا۔
 ”ہمکی سی خراش بھی نہیں آئی۔“ اس نے کہا۔
 ”اب میں تم پفر کر سکوں گی۔ لیکن ہو کہاں دے۔“
 ”کہاں دے۔“

”اک دوست کے گھر سے بات کر رہا ہوں۔“
 ”میرے پاس آجاؤ۔“ اب میں کوئی پری ہوں۔ جیسی میری آجاؤ
 زندگی کو تھا را ہی انتظار تھا۔“
 ”فرما کیا کادھوں اور انتظار کرو۔ شادی کے ہاتھوں تمہاری توپیں
 برداشت نہیں کر سکوں گا۔“
 ”ارے اُسے بھول جاؤ۔ اب تو ادھر کا رُخ کر کے دیکھے۔ زندہ والی
 نہ جائے گی۔“
 ”ایں بخت شرمندہ ہوں۔ میری وجہ سے۔۔۔“
 ”ارے ختم بھی کرو۔ کیا رکھا ہے، ان یا توں میں تمہارے لئے تو میں
 ناہیں۔ زمانے سے لکھا بھی ہوں۔ یہی سے مجبوٹ۔“
 ”اے اللہ جم کو مجھ پر۔“ اس نے دل میں کہا۔ چھ ما تھیں میں لو لا۔
 میں چھنادیا۔ درنہ میرے خابوں کی بھر تو م ہو۔“
 ”اب زیادہ تر ٹپا۔ آجاؤ۔“ نامہید کرای ہی تھی۔
 ”اے۔“ اس نے کل کی وقت۔
 ”فون نہیں بتا دو بچھے۔“
 ”وہ دھوکیں نہیں جاہتا کہ۔“ تم عالم اصطاد میں کوئی ایسی حرکت
 کر جو جو جو مدلے وقار کے منافی ہو۔ لہذا میں ابھی فون نہیں بٹاں گا۔
 ”دل کو طنزے والی باتیں نہ کرو۔“
 ”تمہاری عزت بچھے تم سے بھی زیادہ عزیز ہے۔“ کہہ کر جیلی کے سلسلے

”البتہ . . . ایک کام میں عوض صرف دو ہزار روپے کے سکون کی تھی“
”کس کام کے عوض جنہی المحتہتہ ملکہ نافذ تھیں“
”اُس کی لاش آج ہی پولیس کے ہاتھ آ جاتے ہیں“
چلی نے بوکھلا کر رسور کریڈل پر رکھ دیا۔ ٹھنڈا پتیہ شارے جسم سے چھوٹ
پڑا تھا جس کی وجہ سے اس کا بھائی اپنے بھائی کے سامنے ملکہ نافذ تھیں“
”دلوں ہاتھوں تسلیے یکجنم حبابے بھٹکاڑا تھا“
”مادا کی پناہ کرنے کی بھوئی تھی“
”بھائی طرح یہ کہا ہو جائے پڑا تینی بھی تھی ہے اسے ملکہ نافذ تھیں“
”اچاہا کیسے فون کی ٹھنڈی بھی اڑ دوہ اچھل پڑا اساید چاکی کاں اپنے دا اس نے
سوچا، کوئی مدد کی تیر سو بھگتی ہو گی۔“
”بھیٹ کر رسور اخایا اور سارو خوبیں میں بولا“ ”میلو“
”بھی خوشیت ایسی میں ہے کہ گھر والی آ جاؤ دو“ ”وسری طرف سے شاہزادہ
کی آواز آتی تھی اسی پہنچ کے لئے فوج پہنچی تھی،
”یعنی کہ سچنی کر۔ سچنی کر۔“ پلی بھکلا کر رہ گیا۔
”یعنی کہ ان تینوں میں ایک سو شکاط نہیں تھی“ ”شاہزادہ“ کی کوئی
اواز آتی۔
”غدا غارست کرے ان طریقوں کو“ ایلی لڑاکشا ہو کر بولا۔ ”خود ہی
ہر کیا دیجھے اور تو دہی نجاک بڑھیں ویا۔“ پلی پٹھن کی دلکشی کیلے اسے
”بجو کسیں تینکر اور جپ پھاپ گھر پلے کرو“ تھا۔
”یا تین مکان کھلا چھوڑ دوں“ ایلی مل جاں غاہر ہی کے پاس نہیں تھے۔
”یہ کچھ نہیں جانتی“ زاگرا کیک ٹھنڈے کے اندر اندر گھر رہنے پر چھڑ دیکھا
”خوشیت ایسا“ ایسی میں اسے ملکہ نافذ تھیں“

منقطع کر دیا۔ اس کے بعد پھر درستک ہاتھ پر ٹھاٹھ کھینچتا رہا تھا۔ نوں سامنے آئی تھا لہذا ہاتھ میں چھپ کھینچ شروع ہوئی۔ اس بار کوٹھی بھی کے نیڑے اسیں کروالے اوراتفاق سے ہمال ریسیکرنے والی شاہدہ نبی ثابت ہوئی۔ اسیں اسکی شاہدہ محلی پروزے سے ملنا مادھ پیش کو روئائی سے ڈھانکت کر دیا۔ میں اسکی شاہدہ محلی پروزے سے ملنا چاہتا ہوں۔ ”
”کوئی صاحب میں میں شاہدہ ہی بول رہی ہوں۔“
”مشترس آپ کے شوہر کی زندگی خطرے میں ہے۔“
”لکھنی دیز کے لیے شاہدہ کی اداز آئی۔“
”لکھنی گرد بڑا کیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اسی درک فرسی ہو۔ عین لڑاکہ کے بولا۔“ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔
”میں یہ جانتا چاہتی ہوں کہ خطرے کی مدت کتنی ہے۔“
”ایسا جب تک آپ دس ہزار روپے نہ فراہم کر دیں۔“
”یعنی میرے شوہر کے عوض یہ دس ہزار روپے مانگتے ہوں۔“
”یہی بات ہے۔“
”اچھا اگر میں یہ رقم ادا کرنے سے انکا کر دوں تو۔“
”ہم اسے تسلی کر دیں گے۔“
”بے بہت بہت سکری۔“ میں ایک بڑی مشکل انسان کر دی میں ایک پیسہ بھی نہیں دے سکتی۔
”چل کا ذہن جھینختا اٹھا۔“
”مہلو۔“ دوسری طرف سے شاہدہ کی اداز آئی۔
”مہلو۔“ چل کو اپنی اداز کسی اندھے کنوں سے آئی محسوس ہوئی۔

”نافرہ سے کوکر مکان سنبھالے میں جلا آؤں گا۔“
 ”میں نہیں جانتی کفار نافرہ اس وقت کمال ہے۔“
 ”تو پھر میں کیا کروں؟“
 ”میں نہیں جانتی۔“
 ”اچا۔ اچا۔ کچھ کرتا ہوں۔“ یعنی جانور کا انہی تینوں نے بھیتی
 پڑھائی تھی۔ تم تو جانتی ہی ہو کر میں کتنا بیوقوف ہوں۔
 ”اچھی طرح جانتی ہوں۔“ شامہ کی آواز داری اور سلسہ مفقط ہو گیا۔
 ”بندرا فیلان اونچا۔ اب کیا کروں؟“ چلی نے کہا اور زیستیوں کو زیدیں پر کر
 کر دلوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا۔
 کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ قابوہ کے ہاتھ پکا تو
 درگستہ ہی بن جلتے گے۔ خدا غافت کرے اس طریقی کو جس نے شاہدہ
 کو اصل واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ یہ جاری فاٹرہ نے تو اپنی والیت میں
 آفر شامہ دیا کرتے گی۔ اگر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر گھرنے پہنچا
 پہلے ہی کیا کم بے عرق ہوتی تھی۔
 اور پھر اس نے اخسار چاکا کیاں دینی شروع کر دی تھیں۔ اگر وہ
 مردود اس کی دارجی کے پیچے نہ پڑتا تو میرے میں زندگی گزور ہوتی ہوئی
 نہ باپ خڑج بند کرتا اور پڑوہ پر کی طرح چھا کے چند نے میں جھیلن
 جاتا۔ اب اس اتفاق ہلتے کے خواہ مخواہ اس کی گردان کیوں ای تھی مردود
 چھاکی شان میں پڑھا جاتے والا قصیدہ ابھی اختتم کو نہیں پہنچا تھا۔

کسی نے اپاہر سے گھنٹی سجائی۔
 ”بُوكھلا کر صلہ دروازے کی طرف۔ دروازہ کھولا تو فاٹرہ دکھائی
 دی۔ جو ٹھن کیستہ باخ میں ملکاۓ کھڑی تھی۔ ملکا کر بولی۔“ تھمارے لئے
 مکھا لائی ہوں۔
 ”اے بھاگ جلدی ہی نہیں ہے۔“ اب جلدی ہی پشاور اولاد کی گلہا ہو
 گیا۔
 ”کیا کہ رہے ہو۔“
 ”شادہ کی کال آئی تھی۔“
 ”کہاں ہاں ہاں۔“
 ”شادہ کی کال آئی تھی۔“
 ”کہاں ہاں میکن۔“
 ”خدا کی قسم کہہ رہی تھی کہ اُن تینوں یہیں لائے کاٹ سو شرکت ہیں
 تھی۔“
 ”خدا کی قسم کہہ رہی تھی کہ اُن تینوں یہیں لائے کاٹ سو شرکت ہیں
 تھی۔“
 ”بُراڑ کی بھی ہو گی۔“ فاٹرہ داشت بیس کر ڈالی۔ ڈایریٹنے والے
 طیار ہی طیار
 ”بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔“
 ”اچھا۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔“ تم ہی بڑوی دکھادی گئے تو کیسے کام
 چلے گا۔
 ”بُراڑ کی بات نہیں بلکہ ہنسائی۔“ طرشا ہوں۔
 ”اس میں ایھی بات ہے تو دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔“
 ”ذلت کی زندگی تھمارا مقدمہ ہے۔ کوئی کھو نہیں کر سکتا۔“ فاٹرہ پر تھر
 لجھے میں بولی تھی۔

”بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“
 ”ایم کہتی ہوں تکل حاویہاں سے ورنر نیرسے ہی مارخوان سے قتل
 ہو جاؤ گے۔“
 چلی سریٹ کی چال سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ پچھے مُرکر دیکھا تھا نہیں۔
 پچھے دوسری سریٹ پلے کے بعد اُسے خیال آیا تھا کہ آغزوہ جاگنیاں رہا ہے۔
 ”جہاں جاتے کہاں طحکانا ہے۔“ ناہید۔ نہیں۔ اگر وہ شایدہ
 ادھر آئی اور اُسے یہاں نہ پاکر چڑنا ہید کی طرف رُخ کیا تو اس بارہا قی
 بے عرقی ہو جائے گی اسٹوڈیو میں جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اُس کا علم شایدہ نہیں کیے
 خاندان کے دربار سے افراد کو نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اب اگر کوئی ایسی واردات
 نہ ہوئی تو غزوہ نہیں کر پڑا اور اپنے میڈوورہ جاتے۔
 عجیب سی بد خواہی اُس پر طاری ہو گئی تھی۔ اُجائے میں ہانک دیتی ہے
 ”جانتے والی چمگاڑ کی طرح جھکتا پھر رہا تھا۔ اور چھر اچاہنک اُسے فر
 جانا پڑا۔ چا اسکو طرپر سوار اسی طرف چلا آرہا تھا اور اُس کی نظر بھی شایدہ
 چلی پر پڑ گئی تھی۔“
 ”اُردہ اُن کے قریب ہی آر کاتے ہیں باہمیں۔“
 ”بیٹھ جا پچھے۔ وہ خرخوار بچے میں بولا تھا۔“
 ڈوبتے کوئئے کا نہیں بلکہ شہری کا سماں ایک ہی چلانگت
 چلی کو کھیری پرے گئی تھی اور سکوٹر چل پڑا۔ ماتھ سے بندوق
 ”میرے پہنچنے سے پہنے ہی کہاں جھاگ کھڑے ہوئے تھے بخوبی“
 ”بچانے سے سوال کیا۔“
 ”تو تم نے فون فیر سے مکان کا بھی پتا لگایا تھا۔“
 ”تھا۔“

”فدا دیر کی بات تھی۔“
 ”فدا دیر اصل کھل بکھڑا گیا۔“ پلی نے دل گز نیلی کے ساتھ کہا
 ”کہاں کیا کھیل اُسے تھا۔“ حست ملے کھمان۔
 ”کہیں اٹیناں سے بیٹھو تو اتنا وس۔“ اسکو ترکے سوریں جعل نہیں چھا
 سکتا۔“
 ”چا کچھ نہ بولا۔“ تھوڑی دیر بعد اُس نے ایک بیکھر لئے تھا کہ اسکوڑا
 روکا تھا۔ سیپھے کے اندر پہنچ کر چھکنے ایک گوئے کی خالی منیر تخت بھی تھی۔
 اور اٹیناں سے بیٹھ کر خلی کی رو داد کی۔ دوسری قسط اتنے لگا تھا۔
 دیسے چلی نے شروع نئے موسوس کر لیا تھا کہ جو کو اپنے جھی اُسے
 بھوڑیں نہیں دیکھا تھا۔“
 ”کلمہ بھر جاں کی کہانی کا بقیر حصہ سن یعنی کے بعد اُس نے گھر کی
 دلساں پر ہی اور بھرائی ہوئی اور انہیں کہا تھا۔“ ملائم ایک زلگوشت
 شکل میں پڑ گئے ہو۔“
 ”وہ تو خالہ تھے۔“
 ”وہ کیا ظاہر ہے۔“
 ”گھر گیا تو مجھے بند کر دے گی۔“
 اے یکوں دنایع خراب کر رہے ہیں اُس کی کیا یہیست ہے۔ اس کی
 بات ہوئی تو میں اسی طرح دوڑ آتا ہو۔“
 ”وہ کیا کہا۔“
 ”واپس کیا بات تھی۔“
 ”وہ بیتم آجھی ابھی جس غمار لئے بیکل کر آئئے ہو را وہ پولیں کی بگرا اُن
 میں ہے۔“

”کیوں؟“ چلی اچھل پڑا۔

”بی کافی ہے“ بس جیسے ہی مجھے ایک جنگ سے علوم ہوا کرو
کس نے فون نہیں اور کس عمارت سے وہ فون تعلق رکھتا ہے نیکل کردا
ہوا کسی طرح تمیں اس عمارت سے نکال لوں۔“

”بات کیا ہے چجالدی سے بتاؤ۔“

”کیا نام بتایا تھا تو کہا۔“

”سعیدہ۔ فاغرہ کی سیستی ہے۔“ فاغرہ کے پاس ہے۔

”اف فوڈ اصل بات تو بتائیں ہم۔“

”سعیدہ کا باپ حملی فولوں کا کاروبار کرتا تھا جیسے ہی اُسے معلوم
ہوا کہ سی آئی ڈی والے اسی دیجی سے رہے ہیں اپنے افراد خاندان
سمیت فرار ہو گیا۔ ملے ملے والوں پر فراز کیا تھا کہ تمیں اُس دنوالی
غاظر باہر جا رہے ہیں۔“

”لوپھراس سے کیا ہوتا۔ میرے لئے کون سی مشکل ہے تو کوئی ہے۔“

”میرے اپنی انگلیوں کے لئے شماں ثنا و داں پھوٹے ہوں
گے۔“

”ارے باری تو ہے“ چالی سیڑی پر راحت پھر کر رہا گیا۔
”اک بار ہی تھکڑا پڑ گئی تو اسی عین عیش کے لئے عزت ا
گئی برخوردار۔“ تو یہ تو علامت میں ثابت کیا جاسکے گاہ تھا رامعلت
اس عمارت سے ہیں تھا۔ مکان کی تحریکی کرنے والوں نے تھامی
مشکل دیکھی ہو گی اور اسی تک پرسہ بھی لگالیا۔ تو گاہ تھام کوں ہوئے۔

”اچھا تو پھر تھام کے لئے اسی عمارت سے علوم ہوا کرو
مکان کے اندر پاٹے جانے والے انگلیوں کے نشانات تمہاری انگلیوں
کے نشانات ملتے جائیں گے۔ اس وقت فون ہی پڑتھم کے اپنی انگلیوں کے
چھوڑتے ہوں گے۔ بہرخاں اسی بنیاد پر وہ تمہیں دھر لیں
گے اور تو چھین گے کہ شہزادہ کا باپ کہاں گیا ہے۔“ فاہر ہم کیا بتاؤ
گے۔ تم نے تو آج تک اس کی شکل بھی نہ دیکھی ہو گی۔“

”فاجرہ ہے۔“ چل کی لانچ اچھوڑنے لگی۔

”چھر وہ عدالت سے تمہاری میانڈلیں گے۔ کم از کم ایک بھتے کے لئے
یعنی ایک بھتے تک تمہاری اس قدر پیاسی ہو گی کہ تم بکھرا کر سعیدہ کے باپ
کو نہ ضرف اپنا خالو تسلیم کرو گے بلکہ نامہ کا پتہ بھی بتا دو گے۔“

”بلے لیکن وہ میرا خالو میں سے۔“

”پریس داسے پاہن تو کسی کے لئے کو بھی تمہارا خالو بتا سکتے ہیں۔“

”وہ دہلانے والی باتیں نہ کرو چاہی۔“

”میرا دہی کہہ رہا ہوں جو ہوئے دالا ہے۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا تم بھی مجھے اس صیبیت سے بچات مہین دلا
سکتے۔“ پھر اسی میں اپنے بھوکھیوں کی سی بائیں کرتا ہے۔ کیا اپنی شادی کے موقع پر میری
پاہن نہیں دیکھ چکا ہے۔“

”وہ... دیکھی۔ تھی۔ بہت بڑے بڑے افسوس تھے۔“

”لے لیں تو چھر میں بچے پیچا کشا ہوں۔“

”وہ بسیار بچا۔“ بچا بند اسکے لئے درخت میں کسی کو منزوں کاٹے کے قابل
نہ رہوں گا۔“

”اس شرط پر کم پالیں والوں کے ہاتھ آؤ کم ازکم ایک تین ٹکے بیک...
ہذا اس سکے بعد تو پھر زدہ تمہارا نام سک نہ لیں گے۔ یہ ایک احمد نے الا
شناخت کی طرح ہاتھ نہ آؤں“

کافی کا اکب ایک کپ پنی کر دے کیفے سے اٹھ گئے تھے۔
خوطری دیر بعد پل نے خود کو ایک ہولن کے کرے من پایا۔ چاروں سے
وہاں چھوڑ کر بینیں چلا کیا تھا اور قریباً دو ہفتے کے بعد اس کی والپی ہوئی
تھی۔ اس کا کہتے ہیں اس کی موت میں ایک بزرگ انسانی مذہبی ایجاد کی تھی۔

”یہ رہا تھا راسوٹ کیس بنے۔ اس میں تمہارے پکڑے بھی ہیں۔“
اس نے کہا
”کچھ لے لے تو کیا گھر سے منگوائے ہیں؟“ چلنے لوکھلا کر
”کیوں تدیرم چلیوں کی سی باتیں کرتا ہے؟“ چھا ھٹا کر تولوا۔ ”تمہروں الوں
کو اطلاع دینی ہوتی توجیہ ہے تھی کیوں نہ دہن سمجھوادتا۔“

ریز و لیشن ہیں لیکن تھا کہ تمہارے نام منتقل کرا رایا جائے اور بھر کوں تم سے نام پوچھے گا۔ وہ تو صرف کامیابی کرنے کے لئے ہے۔ ” اللہ مالک ہے۔“

”راجہ بھڑا ایک پورٹ سے ایک لینی ہوئی جانا۔ دوں کے کروز نیز پابیس میں میرا، ایک دوست شہزاد خان عقیم ہے۔ اسی کے ساتھ تمہارا قیام ہو گا۔ میں نے اسے تاروں سے دیا ہے۔“

”تو وہ محظی رسموں کرنے آتے گا۔“

لٹھا جا سکے گئے ہوں اکر ریسیو کرنے آئے گا۔ بہبہ اپنے ہوش میں روچے۔
تجھے جانپڑے گا ایڈینی ہوٹل اور شہزاد خان ائمہ شاہان پڑے کاں ہم عطا اللہ تھا۔
اوے بھی غلط نام بتاؤں گا۔

اصل نام بتاؤ گے تو رحمت میں پڑے گے۔ پڑائے ٹکٹ میں صرف ایک
چل خاندان پایا جاتا ہے اور وہ لوٹکن لوتا میں آباد ہے۔

ہاں یہ بات تھی۔ ”چلی خوش ہو کر بولا“ تم کوں ابھت مشهوں ہیں۔

”اسی نے“ عطا اللہ۔

”سماں کل سمجھ گیا۔ اب کوئی پرواہ نہیں تھا۔“ میرزا نے کہا۔

”اُج گیارہ تاریخ ہے۔ تم اُج ہی شاڑتے آ ج ٹھکے شہ کو راجہ کو ڈھپنخ
جاوے گے۔ اب جیکہ امہتے قیام کر کے اٹھا رہا تاریخ کو روئین لئے داں آ جانا
ل کے سلے تمیں پہلے سے ریزولیشن کر انداڑتے گا اماں سب سے پہلا کام
کرنا کہ ریلوے اسٹیشن حاکر اٹھا رہا تاریخ کے لئے پرانی پرسن میں سیٹ کا
یوزر دیشنا کر لیتا۔ اور کندہ سیٹ میں۔“

”اُرے فضولی ستر ہی کی کا ضرورت ہے تھوڑے کھان میں سفر کراؤں گا۔“

”تم وہی کر دے گے، جو میں کہوں گا۔ خڑج میرا ہو رہا ہے یا نہ سارا۔“
 ”میرا دل چاہتا ہے کہ چچا کے تمارے تدوں پر سُر کھو دوں اور میرا ہم نکل جائے۔“
 ”ایک ہنچتے تک بھر کے سیر و لفتر کے کرنا۔ شہباز خان سے اپنے بارے میں کسی نسم کی بھی گفتگو مت کرنا۔ صرف اس کی باتوں کے جواب دیتے رہنا خود اس سے کوئی سوال نہ کرنا۔“
 ”ایسا ہی ہو گا۔

"یہ کھو مزید ایک نہ را رد پے ۔ ۔ ۔ واپسی کے سفر اور دوسرے اخراجات کے لئے ۔ ۔ ۔"

”شاید میرا دالہ حقیقی بھی بسرے لئے اتنا زکر سکتا۔“

اے لوگا مجھے سوتیلا سمجھتا ہے

اے۔ تھم تو سگوں سے بھی پڑھ کر۔ انکھاں دار

”زیاده مکھن نہیں۔“ چیا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کھانا کھا

لارجی کہاں تھیب ہوا ہے۔

اے نوردم سروس کو زنگ کر کے کیوں نہیں مشکوایا تھا۔

”پھر پیغمبر میں منکرا ما ہوں ابھی میں نے بھی یعنی نہیں کیا۔“

(۴۳)

لے سوہاں روح بنا رہتا تھا اس لئے بیان بھی عادتاً اس نے اسی طرف تو جم دی تھی
بہر حال طیکھی کے ذریعے ایک ہوٹل پہنچا اور کمرہ نمبر بامیں کا دروازہ
گھونکھائے لے کا۔
”کون ہے؟“ اندر سے بھاری بھر کم آواز آئی۔
”بھی میں ہوں۔۔۔ عطا اللہ۔۔۔“ چلنے بدقت کہا تھا۔
دروازہ کھلا تھا اور ایک خوفناک قسم کا چھرہ نظر آیا تھا۔ صرع شرخ
انکھوں اور چڑھی ہوئی مریخیوں والا چھرہ۔
”بیس بھائی کا آدمی؟“ اُس نے پوچھا۔
”بھی ہوں۔۔۔“
”آجاؤ۔۔۔ وہ پیچے ٹھیک ہوا بلالہ۔۔۔“
تو یہ تھا شہزاد غان۔ حالانکہ اس کا نام جیفتا دیونا دغان ہونا چلیتے
تھے۔
چل کے احساس بکتری میں مزید اضافہ ہو جانے کے سبب سے اُس
کے چہرے کا پورا بایاں حصہ بار بار پھر کرنے لگا۔
”سفر کیا رہا؟“
”بھی۔۔۔ مزے میں گزرا۔۔۔“
”اچھا۔۔۔ ایچا۔۔۔“ اس نے لاپرواہی سے کہا۔ ”اب آرام
ہو۔۔۔“
”جی شکری۔۔۔“
پلی کو یہاں دیکھتے ایک اگ نظر آئے تھے تو کوئی پہلے ہی نے انتظام تھا۔

۱۴۲

○

راجحگوہ کے آئر پورٹ پر اترنے ہی چلی کوششت سے احساس ہوا کہ
کوہ ایک ناکارہ ترین آدمی ہے۔ لیکن اس احساس کا عکس بھجو میں نہ اسکے
عجیب سی گھنٹے اس کی رُگ و پیے میں سرانیت کر گئی تھی۔ اور
اسے ایسا لکھتا تھا جیسے قیامت تک ایڈلیفی ہو ٹھی نہیں پہنچ سکے گا۔
سوٹ کیس اٹھائے ہوئے اُس گاڑی تک پہنچا، جو صافروں کو شری
بادی کی طرف نے جلتے دالی تھی۔
بیٹھنے ہی والا تھا کہ اچانک بھوڑی تی عقل آگئی۔ اُس نے سوچا کہ یہ
گاڑی صرف وہی سکت نے جائے گی جہاں فضائی پیٹی کا دفتر ہو گا۔ ضروری نہیں
کہ ایڈلیفی اس کے قریب ہی کہیں ہو۔ لہذا کیوں نہ راہ راست ایڈلیفی کے لئے
ہمیں سے شکس کر لی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ فضائی پیٹی کے ذریعے قریب کوئی
مواعظ مل سکے۔

چلی ایک ایسے شر سے آیا تھا جہاں وسائل آمد و رفت کا مسئلہ ہر فرد کے

چھلی نے بخوبی سنبھالی تھی اور کمرے میں پہنچا تھا اور پھر اُسے ایسا موسس
ہوا تھا جیسے پیر دن تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ اس کا سوت کیس نا شست
تھا۔ پانچ سور و پیٹ تو وہ سوت کیس تھی میں جھوٹ لگایا تھا۔ اب کیا ہو گا اور
شہباز کے پچھے... پلک چھا کے پچھے... اب پر نہیں کس مسیبت میں
پھنسائے والا ہے...
”پھر اس کا سر چکرایا تھا... اور وہ دھم سے بستر پر گزر کر ہیو ششن
ہو جائے کی کوشش کرنے لگا تھا۔
بیو شہباز خان کی کوشش میں نامکاری کے بعد چھلی پھر اٹھ بیٹھا...
سوچ رہا تھا کہ بیو شہباز کے کیا فائدہ اس سے ہے تو یہ ہو گیا
دوقلوں جو تے آثار سے اور ان سے سر پیٹنا شروع کر دے۔ آفر وہ بقیہ
پانچ سور و پیٹ سوت کیس ہی میں گیوں جھوٹ لگایا تھا۔ چھانے پر تو نہیں
کھا تھا اک شہباز خان پر اسی حد تک اختاد کر لینا۔ اب اس کی جیب
میں باقی ہی کیا بچا تھا۔ اے سی سی میں سیٹ ریز روکاری نے کے بعد
کل رقب مبلغ ایک سو انٹھا میں روپیتے رہ گئے تھے۔
اب کیا ہو گا۔ ایک ہفتہ کس طرح گز رے گا۔ کاؤنٹر کلک کے بیان
یک سطابت شہباز خان نے صرف رائٹنگ بکارے کی پیشی ادا یتک کو دی تھی۔
کھانے اور ناشستے کے افراجات کا کیا ہو گا... ایجھن پڑھتی رہی اور
پھر اُسے باقہ ردم کی راہ لینی پڑی تھی۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی تھک کیا
شہباز خان کا سوت کیس سامنے رکھا ہوا نظر آیا۔ جھپٹ کر اس کا
ٹھکنا اٹھایا تھا۔
”واہ۔۔۔ بھھتی۔۔۔ خوب۔۔۔“ اس کی زبان سے بے شانتر

”جی بہت اچھا۔“ چلنے کما اور رسیور رکھتا ہوا بڑپڑایا۔ ”آواز تو پڑی سُرُنی ہے... عمر بھی بتادی ہوتی رہی۔

بھاگم بھاگ چوڑا ہے پر آیا تھا۔ سامنے ہی زینت میڈیکل اسٹور کا ڈر اسابر ڈنظر آیا اور آنکھوں میں نیلی پیلی دھاریاں چکرانے لگیں۔

یاد ہیں کہ کس طرح اُس نے مریک پارکی تھی۔ کاؤنٹر کے قریب وہ کھڑی دکھائی دی۔ یاہ جیکٹ اور نیلی جین میں پیاری لگ رہی تھی۔ عمر زیادہ سے نیادہ چویں سال رہتی ہو گی۔ بال سہرنے تھے اور سرخ اوس فیدی پر زندگی سے بھر لپور آنکھیں جگہ گاری تھیں۔

”عطال اللہ“ وہ اُس کے قریب ہو کر آہستہ سے بولا۔

”وہ ہنس پڑی اور بولی۔“ نام سے تویں سمجھی تھی کوئی باریش بزرگ ہوں گے مگر آپ تو۔

”فف فرماتے۔۔۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔۔۔“

”نی الحال اپنی جان بچانے کی نکری کیجئے میری خدمت پھر کبھی کر دیجئے گا۔۔۔“

”جی میں تمہیں سمجھا۔“

”میرے ساتھ آئیتے۔۔۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔“

دو لوں فٹ پا تھے پر اترائے اور اڑکی نے کہا۔ ”میں مصاحب نے اطلاع دی ہے کہ آپ خطرے میں میں اس لئے فوراً ہو ٹل چھوڑ دیجئے۔“

”خدا کی پناہ۔۔۔ لیکن جاؤں کہاں۔۔۔“

”میرے ساتھ چلے۔۔۔“

”مل۔۔۔ لیکن آپ کون ہیں۔۔۔“

نکلام۔۔۔ پڑپڑے اور دوسرا سامان اُن لفافے سیست جن میں مبلغ پانچ روپے کے نوٹ چھوڑ گیا تھا۔ شہزاد خان کے سوٹ کیس میں موجود تھا۔ ”واہ پیارے دوسری چمکار نکلی۔۔۔ میر اسروٹ کیں اتنا ہی پسند آیا تھا تو بانگ لیا ہوتا۔۔۔ اس طرح لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔“

ایک نیکا بھی تو غائب نہیں ہوا تھا۔ چلنے ایک بار پھر خوشی کا دمعہ لکایا۔۔۔ باقہ روم کے استعمال کی ضرورت اب بات نہیں رہی تھی۔ اچانک ذوب کی گھنٹی بھی اور وہ اچل پڑا۔ تیرزی شے افسڑہ منت کی طرف آیا تھا کا پنپتے ہوئے ہاتھ سے رسیور اٹھایا۔۔۔

دوسری طرف سے انسوائی آواز آئی تھی۔ ”کیا عطا اللہ صاحب خبیت ہیں۔“ ساری بانگ منہ کرنے ہی والاتھا کہ اچانک یاد آیا عطا اللہ صاحب کے نام سے تو ہواں جہاز میں سفر کیا تھا۔۔۔

”بچ۔۔۔ بچ۔۔۔ ہاں۔۔۔ فرمائیے۔۔۔ وہ ماوچ پیش میں مہکلایا۔۔۔“

”کیا آپ زینت میڈیکل سٹور تک تشریف لائے کی محنت گوارا فرمائیں گے۔۔۔“

”زینت میڈیکل سٹور۔۔۔“ چلنے نے یادداشت پر نزدیکیتے ہوئے مہرایا۔۔۔

”بچ ہاں چورا ہے پر۔۔۔ داہنی جاں۔۔۔“

”جلدی کچھ بوقت کم ہے“
”سامان تو لے آؤں۔۔۔“

”صرف کاغذات اگر کسی قسم کے ہوں، سامان جہاں ہے وہی پڑا رہنے
کیجئے۔۔۔“

”مطلوب یہ کہ کپڑے وغیرہ“

”بہت مل جائیں گے ان کی بخوبی کیجئے“

”اچھا تو کاغذات لے آؤں۔۔۔ چلی نے کہا۔۔۔“

”جتنی جلدی ممکن ہو، میں یہیں کھڑی ہوں۔۔۔“

کاغذات میں نوٹوں کے لفافے اور زیر دلیش کی رسید کے علاوہ اور کیا
تھا۔۔۔ سر پٹ کی چال سنتے ایڈنی پہنچا۔۔۔ مغلوب پیزیں لین اور کبھی کاوفٹر مکار
کے حوالے کر کے۔۔۔ پھر لڑکی کے پاس آپنچاڑا۔۔۔

”لے آئے سب کچھ۔۔۔“

”مجی ہاں۔۔۔“

لڑکی نے سرخ رنگ کی ایک اسپرٹ کار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔۔۔

”درایو کرو گے؟۔۔۔“

”زیادہ اچھی درایو نگت نہیں۔۔۔“

”چلو میں خود ہی کروں گی۔۔۔ میں نے سوچا کہیں تم اسے مردانہ وقار کے
منافی نہ سمجھو۔۔۔“

”اچھی ہرگز نہیں۔۔۔ چلی نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔۔۔ آپ لوگوں سے
ہمیشہ ہمارا نیتا ہوں۔۔۔ یہ تو صدیوں سے ایک ہفت دھرمی چلی آرہی ہے
وہ مرد عورت سے برتز نہیں ہے۔۔۔“

”بہت پیارے شوہر ثابت ہو سکتے ہو۔۔۔“ وہ اُسے آنکھ مار کر سکرانی تھی۔۔۔
اور چلی قدر سے مضطرب ہو گیا۔۔۔ اُس کا یہ چاہی سالا عجیب چیز ہے۔۔۔ پتہ نہیں
یہ محترمہ کون ہیں اور اس قدر بے تکلف کیوں ہو رہی ہیں۔۔۔
اسپرٹ کار میں بیٹھ گیا تھا اور لڑکی نے اسٹرینگ سینچا لاتھا۔۔۔ دوسرے
ہی لمحے میں چلی کا دل جلتی میں دھڑکنے لگا تھا۔۔۔ ۔۔۔ اشارہ نگہ ہی طعنافی
تھی۔۔۔ باسکل الیا ہی سلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی راکٹ لاچنگ پیڑی سے
علیحدہ ہوا ہو۔۔۔

”تم نے ابھی تک میرا نام معلوم کرنے کی روحت نہیں گوارا کی۔۔۔ لڑکی نے
پکھ دیر بعد کہا۔۔۔

”اوہ۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ معاف چاہتا ہوں۔۔۔ دو اصل۔۔۔“
”میرا نام سو نیا ہے۔۔۔ لیکن تمہارا نام عطا اللہ کچھ ایسے نہیں آیا۔۔۔
بالکل نام نا ہے۔۔۔ لیسے ہی جیسے آدمی۔۔۔ نہیں بھی تو عطا اللہ
ہی ہوں۔۔۔ اللہ نے مجھے میرے بالدین کو عطا فرمایا تھا۔۔۔“
”چلی نے زرد سی قمودہ لٹکایا کیونکہ لڑکی کی رفتار اسے دہلاتے دے
رہی تھی۔۔۔“

”اگر میں عطا اللہ کو ایڈول کر دوں تو کیسی رہنے گی۔۔۔ لڑکی بولی۔۔۔
”جو دل چاہے کر دیجئے۔۔۔ آپ بیحد دلچسپ معلوم ہوتی رہیں۔۔۔“
”آئی دلچسپ نہیں تھی جتنی تمہیں دیکھ کر ہو گئی ہوں۔۔۔“
”میں نہیں سمجھا۔۔۔“
”بہت خوبصورت ہو۔۔۔ دیکھ کر خدا منواہ چھپنے کو دل چاہتا ہے۔۔۔“
”چلی نے شرما کر سرخ بھکالیا۔۔۔ لیکن اس کی نظر تو وہاں سکریں پڑھی، اس

لئے ایں منظر سے لطف انداز نہ ہو سکی۔
”پچھا بولتے رہو۔“ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
”گک۔ کیا بولتا رہوں۔ میری تو پچھے سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اچھا یہی
 بتا دیجیے کہ آپ مجھے کہاں لے جا رہی ہیں۔“
”اس سے پہلے میں درخواست کر دیں گی کہ آپ اور جناب کا لکف
 ختم کر دو۔“ بتم کہہ کر فنا طب کرو۔“
”شکریہ۔“

”شکریہ کی بھی صورت نہیں۔ ہم بے لکف دوست ہیں۔“
”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ تو تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو۔“
”اوقت کے اُس پار جہاں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہ ہو۔“
”چلی اجتماع انداز میں ہٹا تھا۔“
”اُس میں منہنے کی کیا بات ہے۔ میں سمجھ گی سے کہ رہی ہوں۔“
”بڑی عجیب بات ہے۔ ہماری ملاقات کو دیر ہی کتنی ہوتی ہے۔“
”اہن سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے تمہیں دیکھا اور عاشق ہو گئی
۔۔۔ جب عاشق ہی ہونا ہے تو پھر دیر کیوں لگاتی جاتے۔“
”آپ واقعی دلچسپ خالوں ہیں۔“
”پھر وہی آپ۔“

”سوری۔۔۔ مطلب یہ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہتے۔“
”پچھے بھی نہیں۔ ضروری نہیں کہ تم بھی کچھ کرو۔۔۔ مجھے ہونا تھا سو ہو
گئی۔۔۔“
”وقتے“ چلی۔۔۔ سوچا کہیں کہی باکل کے ہستے تو نہیں چڑھ گیا۔ لیکن وہ

”اُسے چاکے حوالے سے اپنے ساتھ لائی تھی۔۔۔“
”تم چاکوکب سے جانتی ہو۔“ چلی نے ڈر تے ڈر تے پوچھا۔
”کس چاکی بات کر رہے ہو؟ میرے کوئی چاڈپا نہیں ہے۔۔۔“
”مطلوب یہ کہ رئیس صاحب۔“
”یہ نہیں جانتی وہ کون ہیں۔ لیں مجھے سیماں لٹا تھا کہ تم حظرے میں
ہو۔ لہذا تمہیں غائب کر دینا جانتے۔۔۔“
”شہزاد خان کو جانتی ہو۔“
”یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔“
چلی نے سوچا کہ اُس نے سوٹ لیں واں بات بتا دے لیکن چھڑاں گیا
کیا فائدہ، جب اسے جانتی ہی نہیں۔۔۔ اور اب تو اسے اپنا سامان
بھی ہوڑل ہی میں چھوڑ دینا پڑتا۔۔۔
”تم مجھے کس طرح غائب کر دیں۔“ چلی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
”دل میں چھپا لوں گی۔“
چلی چھپ رہنا تھا۔
”آخر تمہیں اتنی بہی کیوں آ رہی ہے؟“
”اظہار سرست کے لئے۔“ چلی نے سنبھالا کے کر کہا۔
”کویا تمہیں اس پر خوشی ہے کہ میں تم پر عاشق ہو گئی ہوں۔“
”اُس پر تو بالکل خوشی نہیں ہوتی۔“ چلی بھی چنکے کے موڑ میں آگیا تھا۔
”بدصیب ہو۔“ وہ رہا سامنہ بن کر بولی۔۔۔
”اُس میں بدصیبی کی کیا بات ہے۔۔۔ لیں میں لپد نہیں کرتا کہ کوئی رطنسی
بھر پر عاشق ہو۔۔۔“

"بڑے بھیب ہوتم"

"عجیب نہیں بلکہ درپاک ہوں اس معاملے میں"

"درپاک خود عاشق نہیں ہوتا، لیکن اگر کوئی لڑکی اس پر عاشق ہو جائے تو پھول نہیں سماتا۔"

"دل دہلانے والی باتیں نہ کرو"

"تمہارے سلے میں خاصی چجان میں کرنی پڑے گی"

"بودل چاہتے کرو لیکن اب عاشق کا نام مت لینا"

"الرجک ہو .. ."

"لیکن اس حد تک کہ لانا اوقات سکتے کی طرح جھونکنے لگتا ہوں"

"تم بھی کم دلچسپ تھیں معلوم ہوتے"

"میک سے پتا کر اب میرا کیا ہو گا؟"

"عیش کرو گے"

"میں نہیں سمجھا"

"آہستہ آہستہ سمجھو گے"

چلی نے خاموشی اختیار کر لی۔ سکار شہری آبادی سے نکل آئی تھی اور ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد جی یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس سفر کا اختتام قریب ہو سکتا ہے۔

حد نظر تک سکلانے چاہیں بھیری ہوتی تھیں۔ بنزہ کہیں نام کر جی نہیں تھا۔ شہر سے نکلتے ہی نظر بدلا تھا۔ بنزے کی جھگٹنی بھوری چنانیں نظر آئے لگی تھیں۔

"ارے بھی آفر کمالے جا رہی ہو .. ."

"چلی کر اہاتھا"

"اُن کے اُس پا .. . اس بھیوہ دُنیا سے دور .. ."
اور میں اتنا الو کا پٹھا ہوں کہ چلا جا رہا ہوں۔ "چلی بھنڈا کر بولا۔
"میں اپنی زبان سے تھیں کہہ سکتی۔ تم کہتے ہو تو محیک ہی ہو گا۔"
"کیا محیک ہو گا۔"

"وہی جو تم کہہ رہے ہو ہے
یعنی میں الو کا پٹھا ہوں۔
کچھ کچھ مقین ہو چلا ہے۔"

"براؤ کرم میری توہین نہ کرو۔"
تمہاری جگہ اگر کوئی الو کا پٹھا ہے ہوتا تو اتنی ویر میں کئی بار گھاڑی مکرا

چکا ہوتا۔"

"کیوں .. . ؟" "چلی آنکھیں لکھاں کراس کی طرف مڑا۔
شیشی سے دودھ پینے کے لئے"

چلی جل عین کر رہ گیا، لیکن کچھ بولانہیں۔
"کیوں ؟ چپ کیوں ہو گئے؟" اس نے خود ری دیر بعد پھر چھپڑا

"خاموشی ہی بھتر نہیں۔"

"گولی مار کر کھڑیں پھینک دون گی"

"بہت زیادہ بے تکلفی کی اجازت نہیں دے سکتا وقت نے ایک چکر میں وال دیا ہے تو کیا میں یہ بھول جاؤں گا میں کون ہوں۔"

"تم کون ہو پیارے"

"لو کا پٹھا۔" چلی آپے سے باہر ہو گیا۔

"وہ تو یہ پہلے ہی تسلیم کر چکی ہوں .. . اور اسے تیلم کے بغیر

کسی کو بتا بھی نہیں سکتی کہ تم میرے شوہر ہو۔ . . .
”کیا مطلب؟“ پلی اپھل پڑا۔

”شوہر کا مطلب شوہر ہی ہوتا ہے خواہ وہ اُتو کا پٹھا ہی کیوں نہ ہو؟“
”دیکھئے مختصر مہر۔ . . میں“
”خاتمہ رہو۔ . . بہم یہ سفر شوہر اور بیوی کی حیثیت سے کر رہے ہیں۔“

”آخر کیوں؟“

”اس لئے کہ تم عطا اللہ نہیں ہو۔“

”تماری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔“

”خواہ خواہ ذہن پر دباؤ مت ڈالو جو کچھ کوں اُس پر عمل کرتے رہو۔“
چلی نے بے بسی سے طویل ساتھ لی ختنی اور خفا ہونٹوں پر زبان
پھر کر بولا تھا۔ ”بھج بہت شدت سے پیاس لگ رہی ہے۔“

”کچھ دیر بعد پانی مل کے گا۔“

”میرے لئے کس قسم کا خطرہ تھا۔“ اچاہک چلی نے سوال کیا۔

”میں نہیں جانتی مجھے جو پیغام ملا تھا تم تک پہنچا دیا۔“

”پیغام کے ساتھ میرے سلسلے میں کچھ ہدایات بھی مل ہوں گی۔“

”ظاہر ہے درستہ تمہیں اس طرح کیوں اٹھاتے پھر تھے۔“

”کیا ہدایات ملی تھیں؟“

”عطا اللہ سے فوراً شادی کر لو۔“

”کیوں مذاق کر رہی ہو؟“

”میں سنبھال دیوں۔“ وہ غصے لے جیں ہوں۔

”یکسے یقین کروں جبکہ ہدایت دینے والے کو میرے شادی شدہ ہونے
کا علم ہے۔“

”مجھے اس سے صرد کا نہیں۔“
”کیا مطلب؟“

”وس شادیاں بھی ہو چکی ہنگل تہواری، ان سے کوئی فرق نہیں پڑتے
گا۔“

”پتا نہیں میں خود پاگل پو گیا ہوں یا مجھے کسی دیوانی کے حوالے کر دیا
گیا ہے۔“
”وہ کچھ نہ ہو۔“

”گاڑی نشیب میں جا رہی تھی۔ . . خاصی گھرائی میں کوئی سر زندگی
تھی۔ . . دور ہی سے وہ نظر پڑا سماں لگ رہا تھا۔ . . گھنٹوں بیشتر
چنانیں دیکھتے دیکھتے آنسوں پھر اگتی تھیں۔“

”بہاں ہم جا رہے ہیں وہاں تہاری حیثیت میرے شوہر کی ہو گی۔“
”اور ہم ایک درسے کو ہٹنی، ڈار لگاک اور سوئٹی کہہ کر مخاطب کریں گے۔“
”سو نیا بولی۔“

”تو یہ کیوں نہیں کہیں کہ ہم کو شوہر اور بیوی کی اداکاری کرنی ہو گی۔“
”جنم میں جاف۔“ وہ بُرا سامنہ بنائے ٹپٹپڑی۔

”وادی سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ سچ مجھ بڑی خوبصورت بچہ
معلوم ہوتی تھی۔ شاید راجہ گڑھ سے بھی زیادہ دلکش۔ . . ڈھلانوں پر
پھلوں کے تنہے لمبا رہے تھے اور عجیب طرح کی خوشیوں فضایں چکراتی پھر
رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خطرت نے اپنی جوان سالی کے اطمینان کیے۔“

خصوصیت سے اسی خلیٰ کو منتخب کیا ہو۔۔۔ پلی کی کھوپڑی میں سرور کی لرد درگتی۔۔۔

” یہ تو خوابوں کی دادی معلوم ہوتی ہے۔۔۔ اس نے جھرائی ہوئی اواز میں کہا۔۔۔

” سونیا سکھائی تھی اور طویل سالیں لے کر بیٹی۔۔۔ بالکل ہی غبی نہیں معلوم ہوتے۔۔۔“

” کیا مظلبت بنا۔۔۔ ثبات باتا پریرنی توہین کیوں کر رہی ہوا اگر مجھے شوہر کاروں ادا کرنا ہے تو بیوی کے غلام کی حیثیت سے ہرگز نہیں۔۔۔“

” آگے دال روٹی پر۔۔۔ بہت ہی گھٹیا قسم کے مرد مغلوم ہوتے ہو۔۔۔“

” تم جیسی بیک عورت بھی آج تک میری لفڑوں سے نہیں بگڑی۔۔۔“

” چکار ڈی بستی میں پنج گھنی تھی۔۔۔ آخڑا یک جگہ بڑک گئی۔۔۔ باہمیں جانب پنج دیواروں والی ایک طویل و عرضی عمارت تھی۔۔۔“

” جس پر بہت بڑے بڑے ضروف میں ”ساربان“ کھما ہوا تھا۔۔۔ اوقیط خانیتی ہے۔۔۔“

” بھی نہیں۔۔۔ اول درجے کا ایک ہوٹل۔۔۔“

” اور کوئی نام ہی نہیں سوچتا یا پوکوں کو۔۔۔“

” یہاں کی خاص دشمن اونٹ کے کرفتے ہیں۔۔۔ اس نے ہم بیٹیں تیام

کہنے لگے، مطریا بند منڑ ایٹو لا کے نام تھے۔۔۔“

” تم ہو گی منڑ ایٹو لا۔۔۔“ میں برگز ایٹو لا بنتا پہنچنے ہیں کروں گا۔۔۔“

” یہاں تم میرے احکامات کی باندھی کرو گے۔۔۔“ توبہ گوئی ماری جائے گی۔۔۔ وہ دیکھو پڑ راضھری آ رہا ہے۔۔۔“ ایک لوچابی اور دُلگی کھول کر سامان نکالو۔۔۔“

چلی اُسے تمہارا دن نظر وہن سے گھوڑتا ہوا نیچے اتر گیا تھا۔۔۔ پوزٹریٹ نے سوت کیس اٹھاتے تھے۔۔۔ اور چلی اس کے پچھے چل پڑا تھا۔۔۔ دیتے بڑکی نے اس سے کنجی لے کر گھاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی تھی اور شاید اُس نے چیراچ میں رکھنے کے لئے گئی تھی۔۔۔

چلی کا پانڈنٹر پر آیا۔۔۔ محور اُر سڑ میں اپنا وہی نام درج کرنا پڑا تھا جو

شوہیا بتا کر گئی تھی۔۔۔“

” چھوڑی دیکھ دو وہ واپس آگئی اور بورڈر لئے جائے گا۔۔۔“

بعد یوں ایسا کام تم ہو گیا اب میں تمہیں نظر میں آؤں گی۔۔۔“

” ڈاہ یہ کہا تھا توہین تھوڑا تھا۔۔۔“

” ایٹو لا کیوں آنھو یا تھا۔۔۔“

” مجھ سے یہی کما گیا تھا۔۔۔“

” کس نے کہا تھا۔۔۔“

” ملا دلاغیر فوری باروں سے احتساب کرو۔۔۔“

” کچھ کھو گئی۔۔۔“

” اور کوئی بار بار بیوٹ اور رنگی کی بات کیوں کر رہی ہو۔۔۔“

” یہاں کی خاص دشمن اونٹ کے کرفتے ہیں۔۔۔ اس نے ہم بیٹیں تیام

محلی معلوم ہو جائے گا
اس بحث میں جلی خدھکی حکومت کی تھی
وہ جلی کی تھی اور جلی بھاسر کھا رکھا تھا

لَهُمْ يَوْمًا لَا يَرَوْنَ مِنْ نَعْمَانٍ
أَوْ أَنْجَانٍ أَوْ أَنْجَانَ الْمَسَكِينِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ إِنَّمَا الْأَكْلُ لِلْجُنُودِ إِنَّمَا
الْأَكْلُ لِلْجُنُودِ إِنَّمَا الْأَكْلُ لِلْجُنُودِ إِنَّمَا

ایک دن اور ایک رات تشاہدہ نے کسی تشویش نہیں تھی، سرگردان دیے چکے لیکن دوسرا دن بگزارنا شکل ہو گیا۔ کبھی غصے میں یاں کھا تو اور کبھی پور نے گلتی۔ ملازین میں جیل کی تلاشیں میں الگ سرگردان تھے۔ تشاہدہ کا حالانکہ رہ رہ

کرنا میں کی طرف تجاتا تھا اور وہ غصے میں اپنی بی بی بولیاں تو پھر ملگی تھی۔ ایدو نجیر کی ساتھی را لکھیوں سے بھی بھاگ دا کر بیٹھی تھی، اس سلسلے اب اتنی ہمت

سُرِّ فیاض کو داقعات کا علم ہوا تو وہ الگ برداز و خستہ ہو گئے۔ آخر تھم بچا بھتی کیا چو، اگر نہیں بچا تھیں کہ کیسی کو منزد کھانے کے قابل ہوں

۔۔۔ بملک پورا سے بغیر خاموس ہو رہے۔ حکمی زیادی لی وہر سے اداز
گھٹ کر رہے گئی تھی۔ قریب تھا کہ شاہزادہ رودھر تی، بڑی بی آڑتے ہے آئیں اسے
وہاں نہ سے ہٹا لے گئیں۔ اور پھر وہ تمہانی میں اُن سے لپٹ کر اس بُری طرح
روئی تھی کہ اُن کے جیچے چھوٹ گئے تھے۔ بدفت خاموش ہوئی تو

بڑی بی بولیں ”نحو کر دہ را علاج نہیں۔“ میری بی بولیں ”کوئی دلچسپی نہیں۔“

”میں کہتی تو ہوں کہ غلطی میری تھی ہے اسی دلیکن اب میں کہا کر دیں۔“

”لیکن مجھے طرف ہے کہ میں پرش دہنا منے عواد کشی نہ کری ہوا۔“

”لیکن مجھے طرف ہے کہ میں پرش دہنا منے عواد کشی نہ کر دیں۔“

”کہ کیوں؟“ شاہدہ بوکھلا کر لوی۔ دوسرا بیٹہ سے ملکا۔

”ایسا کہو دائی اماں۔“ میری بی بولیں ”کوئی دلچسپی نہیں۔“

”لیکن کروڈ میٹی روٹ کر چاہا تھا انہوں نے۔“ پہاڑی

”شاہدہ پھر روٹ پڑی۔“ حیثیت اسی دلکش فون کی لکھنی بھی بھی اور بڑی بیلی

انے ریسیور اٹھایا تھا۔ دوسرا طرف کی باتیں سننی رہی تھیں

اور ماڈ تھوپیں میں بولی چلیں ”فرار ہٹھرے ہیتے۔“

”لیکن اپنے اطلاع

ریسیور میں بڑے ڈال کرو۔ پھر شاہدہ کی طرف آتی تھیں اسے۔“

”اب چیز ہر جادی میٹا بھی کافون ہے۔“ کوئی تیکم اتنا ہیں تھیں تمیں پوچھ رہی ہیں۔“

”لیکن امام نہ ہے۔“

”لیکن تو ہیں نہیں بوجھا۔“

”کہہ دو۔“ تین بوجھوں نہیں تھوں گھر پڑتے۔ اسکے سامنے

تم نہیں بات لے ہے میں نہ تو اس سے کہہ دیا۔ تھا کہ تم پیرا ہی پیرا

ہو۔“

”تم نے اچھا نہیں کیا کہم از کم۔“ بھرستے روپی چریا کا کر دیں۔

اب خیال رکھوں گی میا۔ اس وقت تو دیکھی ہی و شاہزادہ نے طوغاء کر کاں رسمیوں کی بھی اور دوسری طرف کی آواز بچان کر آپنے سے باہر ہو گئی تھی۔ یہ نامید کی آواز تھی تھی کہ شش کی وجہ ماؤنٹین میں پھی تھی۔

میں صرف چیل پوچھنا چاہتی تھی۔ نامید کی آواز آئی۔ بیٹے چارہ زندہ بھی ہے یا تم لوگوں نے تھر کا انگشن دلوادیا تھا۔

”شٹ اپ“۔ میں پس کو مطلع کرنے چاہتی ہیں کہ جنگ کی بنیاد پر مطرے میں ہے؟

”کیا مطلب؟“

”مطلب اسی وقت بھجوں میں آئے گا جب پولیس چھاپ مارے گی۔“

”تم آفر منوئی کون ہو؟“

”کم لوگوں نے اپنے قتل کے لائش کوئی دباری ہے۔“

”اچھا تو پھر تھے مطلب۔“

”متحاصل تھا یہ نہ سستے ملے۔“

”لاؤ۔ لاؤ۔“ میں یہ اُسے قتل کر دیا ہے۔ اس لئے تجوہ جیسی کیا کہ دام میں خفیں گاتا تھا۔

”لاؤ۔“ اُسے اڑے۔ ”کیا کہ رہی ہو میا۔“ عقب سے بڑی بی بولیں۔

”اوہ۔“ تو دو تھاڑے پاس ہو گردے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کچھنا چاہتا ہے اور تم اُس کی زبان بندی کر رہی ہو خفی۔“ زبان پر پھر سے بھا دو۔ دل پر نہیں بھا سکیں تھا۔ پاس پیڑھ کو بھی دھیرتے ہی بارے میں سوچے گا۔“

”بھتمن میں خاڑ۔“ کہہ کر شاہزادہ نے ریسٹر کریڈل پر پڑھ دیا۔ اور خود کسی پر گر کر رانی نہیں کی۔

”نہیں کیا ہو گیا ہے۔“ بیٹا۔ کس سے یہ سب کچھ کہر بھی قہر۔

”نامید کیا تھی۔“

”کون ناہمید۔“

”دن بار کہتی ہیں کیا؟“

”تریابیں کی میقی۔“

”کیا ہے۔“ کیا ہے۔

”آخر ہو رکا ہے۔“

”چلی کو بھالتن لیا ہے صراحتی بنتے۔“

”ارے نہیں۔“ بڑی بی اچھل ٹیں۔

”اسی پر ترجیح کر اہوا تھا۔ میں چل کو اُس کے کھر سے اچھوالانی بھی۔“

”اگر یہ بات ہے تو... اب پرانی دلہن اشائے ہی تمیں اپنی سکلن دیکھیں۔ میں انہیں آیا ہمی نہیں سمجھتی تھی۔“

”اے فہ کیتا ہے تم اسے نہیں جانتی ہے۔ چل کا کوئی قصور نہیں خود
اسی لئے ذور سے ڈالے تھے۔“ میں ایسا کہا۔ اب یہ میرے بھائیوں کا
جیسے لیکن پرنس دہماکیا ہوا اتھا۔“ ایسا بھائیوں کا تھا۔“
”مرد یہ مرد ہوتا ہے“

”آج بڑی سمجھداری کی باتیں کر لئی ہو گیا۔“
 ”ارے تو کیا میں اس کی دشمنی ہوں ۔۔۔ ہم فڑی یہ بات تھی کہ مجھے اس کا
 بلوورنا اور بات پر تھوڑتی پھلا لیسا اچھا لگتا تھا اسی لئے چھوڑتی رہتی تھی۔“
 بڑی بی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
 ”کیا ان کے بیپ کے خط پر جمی تمیل پیغام ختم نہیں آیا تھا۔“ انہوں
 نے لو جا۔

ڈیڈی کی حالت دیکھ کر آیا تو تمہارے پرسو چائیدھے سادھے ذہنیتی
دمی ہوں گے جو جی میں آیا کمکھ دیا۔ یہ لوگ ہم شہر ہوں کی طرح تُناش لہوتے
ختم۔

”اے... ارنے بیٹا... چشم بد دور... تم تو بالکل ہی بدل گئی ہو۔“
 ”اگر وہ نہ آیا تو میر جاداں گی... خدا اس نا ہمیڈ کی بھی کو غارت کرے؟“

”اُس طرح کیا دیکھے جائز ہی ہر ڈن دفعتاً شاندہ بھتنا کر لبی۔“

”سوچ رہی ہوں تمہاری نظر آتا رہوں۔ صدقہ دوں۔“

”اے تو کیا اب تک مجھے پاگل سمجھتی رہی ہو؟“

”پاگل ہوں تمہارے دشنا... میں تصرفِ مزاج کی بات کر رہی تھی ٹیکا۔۔۔ اللہ تمہارا مزاج ہمیشہ ایسا ہی رکھے جیسا اس دقت ہے۔ پران دلماہ ہوتے تو خوشی کے مارے ناچنے لگتے۔۔۔“

”اچھا تو کیا وہ تم سے پیری باتیں کیا کرتا تھا۔“

”تمہارے علاوہ اور کسی کی بات ہی نہیں کرتے تھے۔“

کیا پاتس کرتا تھا ہے

چلی کی سمجھ میں نہیں آرنا تھا کیونکہ کیا ہو رہا ہے۔ سو نیا بخ نہ
اُسے چھوڑ کر چلی گئی تھی اور وہ کمرے میں تھا تھا آٹھ بجے کے قریب اُس
نے کھانا کمرے میں طلب کیا تھا اور ابھی کھانے نے فارغ بھی نہیں ہوا
تھا کہ کسی نے در دارے پر دستک دی۔ آجاد۔ بہ وہ حق کے بل بولا۔
لیکن درسرے ہی لمحے میں مُنڈے زالیکل کر گدیں آگرا تھا۔ ایک
پولیس انپکٹر وہ کانٹیبل سمیت کمرے میں داخل ہوتا ہوا کھائی دیا۔
ایک کانٹیبل کے ہاتھ میں وہی سوت کیس تھا جسے چلی سو نیا کے
کھنے پر ہو ٹھیک میں چھوڑ آیا تھا۔

”کھانا کھا رہے ہو۔“ انپکٹر نے لوحجا۔
”بُخ۔۔۔ بُخی ہاں۔۔۔ تشریف رکھے۔۔۔
”کھانا کھا لو۔۔۔“

”یہ سوت کیس تھا۔۔۔ بُخ کیا چکا۔۔۔“
”یہ سوت کیس تھا۔۔۔“
”بُخ۔۔۔ بُخی ہاں۔۔۔“
”کیا یہ وہی سوت کیس ہے جو تم آپنے ساخت لائے ہے۔۔۔“
”بُخ۔۔۔ بُخی ہیں۔۔۔“
”تم آپنے ساخت جو سوت کیس لائے ہے اس کا زندگی تھا۔۔۔“
”آ۔۔۔“ چلی اچلن پڑا۔۔۔ کیا آپ نے شہزاد خان کو پکڑ دیا ہے۔۔۔
انپکٹر نے اُسے غور سے دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہا گیا تھا۔۔۔ غود چل
لو گھلکار لدلا۔۔۔ میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہنا جاتے ہیں۔۔۔
”یہ شہزاد خان کون ہے۔۔۔“
”بُخ۔۔۔ تو میں بھی نہیں مانتا۔۔۔“
”تم راج گڑھ کیوں آئے ہے۔۔۔“
”جی میں۔۔۔ یونہی تفریح۔۔۔ آپ تو دلستے ہو رہے ہیں۔۔۔
کیا بھوپر کرنی الزام ہے؟“
”میں نے تم سے صرف اُس سوت کیس کے بارے میں پوچھا تھا جو
آپنے ساخت لائے ہے۔۔۔“
”بُخ وہ شہزاد خان لے گیا۔۔۔“
”کہاں لے گیا۔۔۔ اوزدہ کون ہے۔۔۔“
”یہ سوت مجھے نہیں معلوم جس کمرے سے آپ کو یہ سوت کیس ملے ہے
شہزاد خان اُسی میں مقیم تھا۔۔۔ آج صبح میں باہر کیا تھا۔۔۔ دلپس آیا تو کاوزر
لکڑ نے بتایا کہ شہزاد خان جلا گیا ہے۔۔۔ کمرے میں پہنچا تو میرا

سوٹ کیس غائب تھا۔ لیکن صرف سوٹ کیس میرزا بیازی چیزیں وہ اپنے
سوٹ کیس میں منتقل کر کے چھپڑ گیا تھا۔

”صرف سوٹ کیس لے گیا؟“

”جی ہاں اس کے علاوہ تمرا ایک تنگ کا جبھی نہیں لے گیا جیسے یہ“

”سوال تو یہ ہے اگر تم شہزاد خان کو جانتے ہیں تھے تو انہیں کے سفر
میں قیام کیسے ہوا تھا تمہارا شفعتی ہے جسے اس کے حملہ“

”شفعتی ہے پیرے ایک دوست نے اب کا پتہ دیا تھا۔“

”دیکھا پہنچا اس سوٹ کیس لے جا گا کاٹھے دست اٹھا دیں“

”جی ہاں۔“ بھی بات ہے لیکن مرتے کا ایک عفتی کا پیشی کرائی
بھی ادا کر گیا ہے۔ لہذا میں نہیں چاہتا کہ اس کے خلاف کوئی کاڑی ردا ہی
کی جاتے۔ پسند آگیا ہو گا میراسوٹ کیس“

”اچھی بات ہے تو ہم اس کی بجائے نی الحال تھیں ہی بند کئے دیتے
ہیں۔“

”گل۔۔۔ کیا مطلب؟“

”تم حراست میں ہوئے۔۔۔ جس ا manus کا ٹھہرایا۔۔۔“

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ سونیا کہاں گئی؟“

”کون سونیا۔۔۔؟“

”ہی جر مجھے بیہاں لاتی ہے۔۔۔“

”اچھا وہ بخوبی تھی تھی تھیں بساو گے کوہ کہاں ہے۔۔۔“

”کس صیبت میں پھین کیا ہوں۔۔۔“ میں اس کے باہم میں بھی

کچھ نہیں جاتا۔۔۔ وہ میرے پاس پہنچی ہی تھی اور کہا تھا کہ زمین الحسن نے اطلاع

دی ہے کہ علی پرندیز کو اس علاقے کی بیکاری تھا۔ لہذا اپنے یہی
درا آپ خود سوچتے! اگر یہ بات نہ ہوتی تو اپنا سامان ہو تو اسی میں کوئی
چھپڑ دیتا۔ خدا کے لئے اب سچی بات تباہی بھی، میرا فضول صرف اتنا ہے
کہ یہی سے میرا جھکڑا ہو گیا تھا لہذا سبق سختی کے لئے مگر نہیں
نکلنے کھڑا ہوا تھا۔“

”تو اتنی درجنکل آئے ہو جھکڑا کر کے۔۔۔“

”جب آپ سب کچھ جانتے ہیں تو پھر کیوں رصح کر رہے ہیں مجھے؟“

”یہ کہ میں نکل لوٹ چھاپنے والوں کا بنا تھی ہوں۔۔۔ حالانکہ یہ
بانک غلط ہے۔۔۔“ میں نے تو قبیل نظر پر اس سرکان میں پیاہ لی تھی۔

”اوہ تو تم پر نظر نکلی تو چھاپنے کا بھی الزام ہے۔۔۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔“ پھر پراسماں بناؤ بولا۔۔۔“

ان پکڑ چھپڑی دیتک اُسے غور سے دیکھتا رہا تھا۔ پھر بولا تھا ”نہیں
مجھے اُس تھے کا علم نہیں ہے۔۔۔ اگر تم ہی سب کچھ بتاؤ تو شاد۔۔۔“

”ٹھہریے۔۔۔“ میں بتا آہوں۔ میرا صیغہ اعناس جرم کا شکار
نہیں ہے۔ اس لئے مجھے تعطی پریشان نہ ہونا چاہتے۔۔۔“

پھر علی نے اپنی کہانی مژروع کر دی تھی اور ان پکڑ کی جریح نے اُسے
کہانی کے ابتدائی حصوں تک کو دہرا دینے پر بھجو رکر دیا تھا۔ یعنی کامی

میں دانٹلے کے بعد سے اب تک یہ کہ سارے واقعات بتانے پڑتے
تھے۔۔۔

سب کچھ کوئی نیت کے بعد ان پکڑ نے کہا تھا۔ پہلے میں معلوم کروں گا

بکر تم کسی بھی معاٹے میں اپنے شہزاد کی پولیس کو میلوٹ ہو یا نہیں۔ اُن کے بعد تم سے بات ہوگی۔ ”اُن کے بعد اُن کے لئے اگر وہ معاابر نہیں تھے تو پھر کیا بابت ہے؟“ ملی بندے پیرزادی سے فکر کرنے کا خواہ دیا تھا۔ ”تم کرنے کا خواہ دیا تھا۔“

”بھی ہاں نہ میں دہان پکے ریست انٹم کا طباہوں ایسیں“
”ولڑک لوٹا کے سارے باشندے تمہیں پہچانتے ہم دیں“

بی داں، پچھے کچھ حامیاں ہے۔ جبلہ مجھے دہاں کوئی نہ بخانے گا۔ ”
”ایکی معلوم سر جاتا ہے۔“ انسپکٹر نے تھما اور مرکر ایک کائیںلیں سے
ولا۔ ”ذرائع الدار محمد اللہ کو تو بخانا۔“

بہت بہتر چناب "بکھر کر دہ کمرے سے چلا گیا۔ اس پیکر نے جل سے کما۔ یہیں نے ایک آسٹادی کو بلوایا۔

”کامنام پیاچھا آپ نے“ چل چونک کر یو لا۔

کیا وہ بیان ہے۔ ”پلی چمکت کر بولا“ میرا زنگروٹ ”میرا زنگروٹ“

کہ اور پھر میرا زندگی دنے کے دروازے میں قدم رکھتے ہیں "چھوڑ

یخ جی پکا نہ رہ لگا یا تھا۔ ”تم ایں لاں مالکہ کی بھسما۔“
”تم جانتے ہو انہیں“ اس پکڑنے لگو رکر دیکھتے ہوئے پوچھا۔“
”جی لاں جناب۔ ہمارے چھوٹے سرکار ہیں۔“ غصہ میں ایسا
”اس پکڑ طویل شانش لے کر بولا۔“ تا نہیں بڑے سرکار کرنے ہوں
گئے۔“ اس کے دارجی بھی ہے حوالدار حمید اللہ نے نہایت خلوص سے
کہا۔ ”کیا مطلب؟“ لیکا تھا۔

”چھوٹے شیخ بی کے ڈالاڑی ملدا دادے سے رجڑے سرکار نہ اپنی میں
نا ہے عان میں کر دیا ہے۔ لیکن جنابت الہام سکل الحکم مخالف ہے
بھر کوئی بھر بڑی“ ”جس کو اعلیٰ حضرت حضرت مولانا مصطفیٰ
”نہیں کچھ نہیں یا ایس جاؤ تے ایس جاؤ“ ”خواہدار علی کو فرم دیکر دیکھا ہوا خست ہو گیا تھا۔ اس
”اب میری بات سنو۔ تم اس کمرے اسے باہر قدم بھی نہیں لکا لو
گے۔ ان پر نے غلی حسکے کیا۔ پھر اسے باہر قدم بھی نہیں لکا لو
”ایسا ہی ہو گا جناب۔“ چلی سر بلکر بولا۔ ”لیکن آخر چکر کیا ہے۔“
”بعد میں بتا دیا جائے گا۔“ بالآخر اگر وہ عورت کیا نام تھا
”سونیا۔“

”اگر میری عدم موجودگی میں دہ آ جاتے تو کسی طرح اسے ناول میں لے جھاکروک لینا۔“

”اے ایک دن نہیں تیر کوئی قصور نہیں“ ایک دن بھی ممکن نہیں
”اس کے باوجود بھی جل جاؤ گے“
”ارے تم حاوہ بجا لو تھاں سے وہ آ رہا ہو گا“ اس پر
”اس نے دو دفعے تو ایک بار بھی الام آئے کام پر بھے مرکا کر میرے گھر
سے نکال لائے ہو۔“
”ارے غصت خدا کا، چلی اپنا نہ پٹنے لگا۔“
”اور اب مجھے بھبھو کر رہے ہو کہ میں یہاں نہ ٹول میں کہانی کوں؟
”مر جاؤں گا۔“ چلی کر اماں تھے۔
”یہی طرف تھے جنم میں بھی جاؤ۔“
”تم مجھے دہاں سے کیوں لاتی تھیں؟“ نہ لامبا تھیں، حس سختا
”تمہاری بھلائی کے لئے لیکن تم تو بالکل ہی وغیرہ تھکلے۔ اس پیکر
قطیعہ ناپت نہ لاسکا کہ تم کوئی دوسری سوت لکیں تے لزگھر سے چلے تھے۔
آفر شہنشاہ خان کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
”دالا پتھر نہیں کس صیبیت میں چھنڈا دیا جاتے اس چھاکے سمجھے
”اب بھی کچھ نہیں بھکرا۔ البتا۔ اگر میرے سورے پر عمل اخروف۔“
”اساں اپنی بخداون؟“ انداز میں اسے سمجھا۔
”کوئی لازم پڑ کر قلعی درختان کر میں اباخڑو فرم میں میکھو دہوں جب۔“
”نہ نہیں۔“ بتاؤں گا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہو گا؟
”بھوکھ ہو چکا ہے تمہاری ممتازت سے اُس میں ایک کوئی تبدیلی
نہیں ہو سکتی، اب تو اسی بھگہ معلاملے کو سمجھا لتا ہے۔“
”بھوکھا تو خدا نکے لئے ضرور سمجھا لے“ چلی گروگڑا باری۔

خوٹری در بند دروازے پر قستک توبی تھی۔ نہ اور سونا
با تھر دم میں ملی کتی تھی۔

چلنے اٹھ کر دروازہ کولا۔ پویس اس پکڑ سامنے کھڑا نظر آیا۔
اپنے کے چڑے پر کچھ ایسے مانزا تھے جیسا کہ مخفی کارانا چاہتا
ہو۔

”اندر تشریف لایئے جاتا۔“ اپنی لکھاکار لولا
ڈی، بھی انہیں آرہا ہوں۔ الجھی طنزی تھا۔ چل بھجا شاید اسے

یہاں سونیا کی موجودگی کا علم ہو گیا ہے۔

لتم نے ہمیں غلط نہ راست پر اگلے کی روشنی کی تھی۔

وہ نے خور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”میراں میراں۔“ یعنی ہمیں سمجھا جاتا ہے، لامیں یا کہ

بہت معزز اور ذتی دار فرد کی اقامت گاہیے۔ لامیں ایسا

کہ اسے ہی لوگ تو جعلی لڑک جھاتے ہیں، جن کی طرف خجال

ہی نہ چاہ سکے۔“ چل جلدی سے لولا۔

لنداب میں تھیں اس الزام کے تحت زیر حراست لیا ہوں
لتم نے حکومت کے ایک فتنے پر لفڑی نوٹ چھاپتے کا الزام

لگایا ہے۔

لے کر اپنے پاپ اس احتکار کے نہیں تھے، لیکن وہ کون چہے، کس

کام کان سے۔“

وزارتِ امن پر سیکڑڑی دہائی اترتے ہیں۔ این دونوں

چھپی پرہیں اور گرمیاں گزارنے کے لئے انہی اطراف میں کہیں مقام ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے جو کچھ ریسیں الحسن نے کہا تھا اُسی کے
مطلوبیں نہیں تھے۔ آپ کو بیان دیا تھا۔“

”کچھ بھی اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے تحکم یاں لگنگی اور آپ
اسی طرح بیان سے اپنے شہرے جائے جائیں گے۔ چھوٹے شیخ صاحب۔“

”اچھا تحکم یاں مت نہوایے یہں یونہی چلا چلوں گا۔“

”ناممکن۔“ تحکم یاں تو ضرور لگنگیں گی۔ پہلے آپ پر کوئیں کی
نقل و حرکت کا شہر تھا۔ لیکن اب آپ نے خود ہی اپنے دوسرے بزم سے
بھی پرده اٹھا دیا ہے۔“

”کون سادوسرا بزم۔“

”مرکاری افسان کے خلاف منافذ پھیلانا۔“

”جناب اس پکڑ صاحب میں بالکل بے قصور ہوں۔“ میں نے تو

آج تک اس مرکاری آفسر کی شکل تک نہیں دیکھی۔“

”کچھ بھی ہر۔ اب وہیں عدالت میں اپنی صفائی پیش کیجئے گا اور
پھر میں کیا کروں مجھے تو آپ نہیں کہے شہر کی پولیس کی طرف تسلیم
ہی ہے کہ کوئی برا مدنہ ہو سکنے کے باوجود بھی آپ کو گرفتار کر لیا
جائے۔“

”یہ لوہت براہم۔“

برے سے بھی بدتر کیتے شیخ حناجت دیکھا اپنے شہر کے کسی
معزز آدمی سے آپ دافت ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ وہ بھی آپ کو
جانسا ہو۔“

”اے میں شہر کے ایک معزز آدمی کا داماد ہوں۔“
”کیا آپ کوئی نمی ہوا تی چھوڑیں گے شیخ صاحب۔“
”خود اسی طریقے آدمی سے معلوم کر سکتے ہیں آپ۔“
”فون نمبر بتاتا ہوں۔“
”یر منے دیکھئے۔“
”میں کہہ رہا ہوں تصدیق کر لیجئے نا۔“
”فرما یتے۔ بکون صاحب میں۔“
”سرفیاض۔“ چلی نے کہا اور سرفیاض کے بارے میں بتانے لگا۔
”فون نمبر جی بتانے تھے۔“
”تو میں سرفیاض کو اطلاع دے دوں کہ آپ زیر حراست ہیں۔“
”ہرگز نہیں، آپ صرف یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ میں ان کا داماد
ہوں یا نہیں۔“

”اس سے کیا نامہ ہوگا۔“
”میں کیا جاؤں۔“
”عقل کے نامی یہی۔ حضن آپ کا بیان کافی نہیں ہے اور پھر اس
سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور آپ کون ہیں۔ آپ یہ ایک سرکاذی افسر کے
بارے میں غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ آپ گزندار کے جائیں کے
اگر سرفیاض کو اس کا علم ہو گیا تو آپ کو ضمانت پر رہا کرایینے کا انتظام
پکی سے رکھیں گے اور آپ کو زیادہ دریں سکب حالات میں نہیں رہنا
پڑے گا۔“
”خداع مکن صنیبت میں بھیں گیا ہوں۔“

”بس چپ چاپ بیٹھ رہتے ہیے۔ ان پھر ٹینے کہا۔“ یہاں سے بجا گئے کی
کوشش نہ کیجئے گا درنہ جرم اور سنیں ہو جلتے گا۔ میں ذرا تھکلہ یاں
لیتا آؤں۔“
وہ چلا گیا اور چلی نے پھر دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔ پھر ذہنستاکر
با تھر روم کی طرف چھپتا تھا۔ دروازہ کھولا اور ششدڑتہ گیا۔ سونیا کا کہیں
پتہ نہ تھا۔ اور پھر خاصی دیر بعد اُسے وہ کھڑک کی نظر آئی علی جس کی
طرف اُس نے پہلے توجہ ہی نہیں دی تھی۔ کھڑک کی کھلی ہوئی تھی۔ آگے
بڑھ کر اُس نے دیکھا۔ دوسری طرف دیرانہ تھا۔ وہ نہایت آسانی سے فرار
ہو گئی ہو گئی۔

سرفیاض کی کوئی میں سکھ رام قمی گیا تھا۔ شاہدہ دھڑائیں بارہ مارکر
رو رہی تھی رہیں سرفیاض پر دل کا درہ نہیں پڑا تھا۔ البتہ وہ آپ سے
باہر ہنور سے تھے۔ بڑی بی شاہدہ کو ڈہاں سے مٹانے کی تھیں۔
سرفیاض کا غصہ اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ ٹھیک اُسی وقت
فون کی گفتگی بھی اور وہ فون کو اس طرح گھورنے لگے تھے، جیسے ابھی کسی
ملازم کو حکم دیں گے کہ وہ فون اٹھا کر باہر چینک آئے۔
لیکن پھر ہمت بڑا سامنہ بننا کر اسیور اٹھایا تھا۔ دوسری طرف سے
آواز آئی۔ ”کیا سرفیاض۔“

”ہاں۔ کون ہے۔ کیا بات ہے۔“
”آپ کا داماد حلقے کے خاتمے کی جوالات میں آپ کا منتظر ہے؟“
”تم کون ہو؟“

لیا۔ اسیت میری آذار بھی نہیں پہچان سکتے، حالانکہ خاتم میں بھی میں ہی نظر آتا ہوں گا۔

لادہ۔ اداہ۔ تم ہو۔ ”
”بھی ہاں آپ کا دیرینہ خادم رہیں امتحن المتروف پڑھ جائیں اگر آپ نے میری پوری بات مُسٹے میری رسیور کو دیا تو بڑے شارے یعنی زین

لادہ بھکر۔ کیا بیک رہے ہو۔ ”
”آپ کے بیچے ڈی۔ ایس۔ پی نے مجھے بھانے کی کوشش کی تھی، لیکن چنس گیا آپ کا داماد۔ ”
”اب یہ بھی دیکھے گا کہ اس ڈی۔ ایس۔ پی کا کیا

حشر کرتا ہوں۔ ”
”بچہ نہیں تم کیا کہر ہے ہو۔ ”
”انجان بننے کی کوشش نہ کیجئے۔ اسی نے یہ حرکت آپ ہی کے اشارے پر کی تھی۔ آپ نے اُسے یعنی دلایا تھا کہ ایں بیٹیات کا غیر قانونی کاروبار کرتا ہوں۔ ”
”آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں سرفیاض منڈیے بے چارہ ڈی۔ ایس۔ پی پر

محض آپ کی وجہ سے ملا گیا۔ ”
”دوہنی تاہ میں اُسے ایس۔ پی سے ڈی۔ ایس۔ پی سے ڈی۔ ایس۔ پی ہو گیا تھا، لیکن میں اب اُسے ایسی جگہ پہنچ کر اوس گاگر دوہنی ماہ میں زور و کر خدا سے دُنیا بھی کافی کیں۔ ”
”سے کسی فروٹ مارکٹ کے آس پاس تینونات کرادئے اے۔ ”
”سرفیاض نے چھا کر رسیور کریڈن پر پڑھ دیا۔ ”

اور پچھڑہ دلایا تھا۔ ”
”بُوستے دلایا پسچے تھے جہاں ششماہیہ میٹی پر

بیٹھے پر دوہری طرف چلا رہی تھی۔ ”
”؟ مدنے۔ ”

”میں اس کی صفات کے لئے ہرگز نہیں جائز گا۔ ”
”آپ سے کون کہہ رہا ہے۔ ” وہ بھی انہی کے سے انداز میں چیخی تھی اور وہ ششدہ رہ گئے تھے۔ ”

”میں خود صفات دے سکتی ہوں۔ ” اتنا جب جائیداد ہوں۔ ”
”لیکن آپ وہ اس کو بھی میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔ ” ”سرفیاض سمجھا لائے کر لے۔ ”

”نمیں آتے گا یہاں۔ افراد میں بھی چارہ ہوں۔ ”
”اُسے سمجھاؤ۔ ” سرفیاض نے بڑی بی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”

”بھی بہت اچھا ہو گڑھا گیں۔ ”
”آپ مجھے کوئی نہیں سمجھا سکے گا۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔ آپ ہی کی وجہ سے پر اُس سے جگڑا ہوا تھا۔ ”
”مجھ سے پھر رہا تھا۔ پتا نہیں کرنے کیسے چکر میں پھانس دیا تھا۔ ”

”میں جانتا ہوں کس نے پھانسا ہے۔ ”
”مجھے بتایے۔ میں اس کے گریبان پر را تھا ڈال دوں گی۔ ”
”بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ ”

”مجھے نام بتاییں۔ ” وہ نہیانی انداز میں چیخی۔ ”
”اُندر تین امتحن۔ ” سرفیاض ابھیں نکال کر بولے تھے۔ ”

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ” اُسی نے توہماری شادی کراچی ٹھیک کیا۔ ”
”میں جانتا ہوں۔ ” وہ مجھے ذلیل کرنے پر ٹکا ہوا ہے۔ ”

”اگر بات ہے تو میں اُستے دیکھ لوں گی۔ ”
”بھروسہ جیں۔ ” سے گھر میں دیکھا جائے گا۔ ”

”سچی میں اُسے حوالات میں پڑا رہنے دونے“۔
 ”مُخْرُوری ہے۔ اُسے بھی عقل آجائے گی۔“
 ”ہرگز نہیں۔ وہ جیسا ہے اُسے دیا ہی رہنا چاہتے ہیں۔“
 ”جہنم میں جاؤ۔ میں کچھ نہیں جانتا۔“ سرفیاض پیر پتختے ہوئے دہان سے
 شاہدہ نے جلدی بلس تبدیل کیا تھا۔ انجارج سے گاڑی نیکلوائی
 تھی اور اس تھانے کی طرف جل پڑی تھی جہاں جل کو رکھا گیا تھا۔
 عجیب الفاق تھا کہ رئیس الحسن سے بھی دمیں مدد پڑی ہو گئی۔ انجارج
 سے ہنس ہنس کر باتیں کہ رہا تھا، شاہدہ کو دیکھ کر ایک دم سیریں ہو گیا۔
 ”میں پلی پر دینے کی صفائت دینے آئی ہوں۔“ اُس نے اپنے انجارج سے
 کہا تھا۔
 ”اوہ۔ تشریف رکھتے مختصر مہر۔ آپ کی تعریف۔“
 ”میرے شہر ہیں۔“ کسی بدحکمت نے اُن سے کسی قسم کا استقامہ لیا
 ہے۔
 ”لیکن صفائت تو عدالت سے ہرگز مختصر نہیں۔“
 ”اچھا۔ اچھا۔... نیں اُن سے لینا چاہتی ہوں۔“
 ”ہاں۔ یہ مکن ہے۔ میرے ساتھ تشریف لایتے۔ وہ اٹھتا ہوا
 بولا۔
 ”آپ بھی رحمت فرمائیے۔“ شاہدہ نے رئیس الحسن سے زہر ملے لجے
 میں کہا تھا۔ وہ سر پلاکر منکراتا ہوا اٹھ گیا۔
 حوالات کے کھڑے کے قریب پیچ کر پلی نے انجارج کو آنکھ مار کر۔

”چلے جانے کا انتارہ کیا تھا۔“
 ”وہ انہیں دہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔“ پلی کھڑے کی سلاخیں تھاں کھڑا
 مغموم آنکھوں سے شاہدہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔
 ”اس طرح مت دیکھو خدا کے لئے درخت میں زو پڑوں گی۔“
 ”اصلی بات کوئی نہیں بتاتا۔ بن جھوٹے الزام لٹکتے جا رہے ہیں مجھ پر۔“
 پلی دردناک لمحے میں بولا۔
 ”کون سی اصلی بات۔“
 ”دل شکستہ ہو کر۔“ راجڑھ جلا گیا تھا۔ دہان زندگی کا خاتمہ ہی کر دینے
 کی سوچی اور رین کی پڑھی پر لیٹ گیا۔... لیٹا رہا۔... پھر ایک چردہ ہے
 کو کہتے سننا کہ آج ٹین بارہ گھنٹے لیٹ ہے۔ سخت غصہ آیا۔ سوچا ہر خریدیں
 گا اور ہوتل کے کمرے ہی میں اجان دے دوں گا۔... پڑھی سے اٹھ کر
 چلا آیا۔ زہر خریدا۔...
 ”کون سازہر۔“
 ”ایوں۔“
 ”اچھا تو پھر۔“
 ”یہاں بھی فراڈ ہو گیا۔“ گھول کر پی جانے کے بعد تباہ کار ایون
 نہیں کتابت کی روشنائی کی گئی تھی۔
 ”اللہ کا شکر ہے کہ اس فراڈ نے تمہاری جان بچائی۔“ لیکن پچھے
 کیسے گئے۔
 ”میں نہیں جانتا۔ بس پکڑ لاتے۔“ پولیں والوں میں سے کوئی
 کہتا تھا کہ میں نے کسی سرکاری افسرو بندہ نام کرنے کی کوشش کی تھی اور کہتا تھا کہ

جانتا۔

کو کیمی سیرے پاسس — خدا ہی بہتر جانے... میں تو کچھ بھی نہیں
جاںتا۔

”میں نے سنا ہے کہ تمہارے ان ہمدرد نے تمہیں اسی عال کر پہنچایا ہے“
شادہ نے تیس الحسن کی طرف باہرا ٹھاکر کیا۔

”چنانے“ چلی کے لمحے میں حیرت تھی پھر وہ اپنا منہ پٹیا ہوا بولا۔ سلطان
کے کان بھرے — تم کیسی بائیں کر رہی ہو۔ یہ تو پرستے مجھی ہیں اگر یہ تو
ہوتے تو اتنی پھنس جاتا۔

”اب پھنسنے میں کیا رہ گیا ہے کہ عدالت سے ضمانت ہو گی؟“
”کون کہتا ہے... میں تو اپنی رضی سے تمہار کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔
میہاں کی پولس کو راجح گھڑ پولس کے بیان پر قین خود را ہی آیا ہے۔ یہ میرے
پاس سے کوئی برآمد کر سکے تھے اور نہ ان کے پاس ایسا ہی کوئی بتوت ہے کہ
میں نے کسی سرکاری افسر کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہو۔“
”تو یہ تمہیں جھوڑ دیں گے۔“

”اور کیا۔ میں نے کہا ب آہی گیا ہوں تو اپھی طرح دیکھ لوں کہ عدالت
کیا پیزیر ہوتی ہے...“

”تیس الحسن اس دوران میں بالکل خاموش کھڑا رہا تھا۔
شادہ نے بھراں ہوئی آواز میں اس سے کہا۔“ ڈیڈی کہہ رہے تھے کہ تم
نے پھنسایا ہے چلی پر ویکو۔

”میں پھنساؤں گا اپنے لور اٹ رفت جنگر کو؟“ تیس الحسن نے اپنے لمحے
میں بے پناہ حیرت پیدا کر کے کہا۔

”سوال ہی تیس پیدا ہوتا۔“ چلی نے فردوار تھیر لگایا۔

”تو پھر یہاں کیوں آتے ہو؟“
”در اصل میرا راہ ہے کہ یہاں کی بیل اور حوالات سے متعلق ایک کتاب
کھموں۔“

”غیرم کرو...، ضرول یا نہ اور چلو میرے ساتھ۔“
”ہاں۔ ہاں۔“ تیس الحسن سر ٹلا کر بولا۔ ”اب اس وقت تو چلے ہی جاؤ،
پھر جب دل چاہے مجھ سے کہہ دیا دوبارہ بند کر دوں گا۔“ کتاب ایک
دودن میں تو لکھی نہیں جائے گی۔“

”لیکن میں تمہیں لے کہاں جاوں گی۔“ شادہ نے مایوسان لمحہ میں کہا۔
”کیوں؟...“ چلی اچھل پڑا۔

”اس گھر میں نہیں لے جائی سکتی اور اب میں بھی وہاں نہیں رہوں گی...“
”تیس الحسن نے شادہ کی نظر پچاکر چلی کو انکھ بارہی ہٹی۔ چلی حیرت سے
منہ کھو لئے کھڑا رہا۔

”ہاں... میں اب ڈیڈی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔... ان کا قادر
چھوڑ ہوتا ہے...“ تمہاری ضمانت دینے پر بھی تیار نہیں ہوتے
تھے۔“

”لا خوں والا توہہ — کیا میں کہیں مر گیا ہوا تھا۔“ تیس الحسن بولا۔
”پھر میں خود ہی چلی آئی۔ کسی کی تھا جگ نہیں...“ میرے نام بھی اتنی
جاںیداد ہے، جب تم دونوں کے لئے کافی ہو۔“
”مم... بھگے... شرم نہ نکرو...“ چلی بھراں ہوئی آواز
میں بولا۔

”جب تک میں ایک فرشٹ بھگلے کا انتظام نکر لوں...“ ہم حوالات ہی۔

میں رہو گے۔ ”فُقَارَىٰ مِسْكَنُ الْحَنَفَىٰ نَىٰ لَهَا۔“

کیا مطلب۔ شاہدہ کے لمحے میں حیرت تھی۔

”اگر تم کو ٹھی میں واپس نہیں چلنا چاہتیں تو۔۔۔“

”لہ میں نبھی چاہتی ہوں کہ اپنے شوہر کو اپنے بھر میں لے جاؤں باپ کے

کھڑیں نہیں۔۔۔“

”بس تو پھر تم بھی یہیں مظہروں۔ بلکہ مناسب تو یہ ہو گا کہ تم بھی اندر ہی۔۔۔“

”میں الحنف نے کھڑے کی طرف اشارہ کیا تھا۔۔۔“

”اور ایڈ پھر بھی۔۔۔“ چلی نے زور دار فرمودہ رکھا۔

”میں تو پھر مختہر و۔۔۔“ میں الحنف تیرزی بنتے آجے بڑھ گیا تھا۔۔۔

”آخِر تم اس طرح جھاگے کیوں تھے۔۔۔“

”کیا کرتا۔۔۔ تم خواہ خواہ غلط نصی میں سُبیلا ہو گئی تھیں حالانکہ کہاں تم

اور کہاں نہکت چیزیں نہیں۔۔۔“

”اس کی ناک چیزیں تو نہیں ہے۔۔۔“

”مجھے تلاکتی ہے۔۔۔ بہر حال کبی بار کہ پلی تھی کہ بھی میرا اشکو دل دیکھو۔۔۔“

”اخلاقاً ہی بیکھنا پڑا۔۔۔“

”لیکن وہ تو کہہ رہی تھی کہم اس نے محوٹ ہوا۔۔۔“

”کہہ رہی ہو گئی۔۔۔ میں نے تو نہیں کہا تھا کہ وہ میری مجبوری ہے۔۔۔“

”ہاں کیسے بات تھے۔۔۔“

”اس تم ہی ایک دم سے بھر کی اٹھتی ہو۔۔۔“

”میں خوب سمجھتی ہوں۔۔۔“ وہ مسکا کر بولی ”تم بھو سے ڈرتے ہو۔۔۔“

”و تم نے نہیں ڈر دیں کاتو کیا۔۔۔“ بڑے بد نسبت ہیں

وہ شوہر جو بیویوں سے نہیں ڈرتے۔۔۔“

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔۔۔“ وہ آنکھیں بند کر کے بولی۔۔۔

”اور کیا؟“

”ایک بار بھر کمو۔۔۔“

”چلی نے از بخھیلے کے خواں سیمیت جلد دوبارہ ادا کیا تھا۔۔۔“

”یہ بازار از بخھیلے کا نام کیوں لے رہے ہوں؟“

”مثلاں کے طور پر مری جان۔۔۔“ مطلب یہ کہ تم اس سے کہیں زیادہ

جنین ہو۔۔۔“

”بیویوں کی باتیں رشت کرو۔۔۔ میں اُن عورتوں میں سے نہیں ہوں، جو

اپنے جن کی تحریفیں سن کر خوش اہونتی ہیں۔۔۔“ بس اتنا ہی کافی ہے کہ

بھو سے ڈرتے رہو۔۔۔ جتنا ڈروگے اتنا ہی ٹوپ کر چاہوں گی۔۔۔“

”یقین کرو۔۔۔ پھیکلی کے بعد یعنی سے ڈرتا ہوں۔۔۔“

”چھپکلی سے تو مجھے بھی بڑا ڈر لگتا ہے۔۔۔ لکنی ذہنی ہم آہنگی ہے

ہم ڈروں میں۔۔۔“

”چلی کچھ سمجھنے ہی دالا تھا کہ ریس الحنف والپس آگیا۔۔۔ حوالات کے تعل

کی چابی اُس کے ہاتھ میں محتی۔۔۔ اُس نے درزارہ کھولا اور شاہدہ اندر چل گئی

درزارے کو دوبارہ متعقل کر کے اُس نے چلی نے کہا تھا۔۔۔ پوری بات بتا

دیتا۔۔۔ شاید انہیں کچھ نہیں معلوم۔۔۔“

”رساہم قائم سے دیکھتی رہ گئی تھی اور وہ چلا گیا تھا۔۔۔“

”رساہم قائم سے دیکھتی رہ گئی تھی اور وہ چلا گیا تھا۔۔۔“

”بہلے تو۔ انہیں کی غایت ہے“ اور یہ اُسی کا حلقہ ہے۔ ”جی ہاں۔ سنا ہے تشویٹی دیر بعد تشریف لائیں گے۔“ ”آنے والوں جسیکا کا دو و نہیں دلا دلوں گی۔“ ”کیا کر دیگی؟“ ”بن آنے دو۔ لیکن مہرو۔ بھیں میرے حالات میں بندہ ہونے سے ایجاد پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جاتے۔“ ”چنانے کر لیا ہو گا اُس کا بھی کچھ نظام۔“ ”خیر آنے والوں اس گھوڑے منہتے تنویر کو۔“

دریاہ دیر نہیں گزری تھی کہ کتنی قدموں کی آدازیں شامی دین اور جگہ دہ لوگ سنا نہ آگئے۔ ڈی ایس۔ پی تھا نہیں تھا۔ سر نیاض۔ بھی ساتھ تھے۔ اور اٹیشن اپشارج اُن کے پیچے تھا۔ شاہدہ پر نظر پڑتے ہی سر نیاض اچانک فرک گئے۔ ڈی ایس۔ پی تھے تجویز اُنداز میں پلکیں جھپکاتی تھیں۔ پھر وہ اپشارج کی طرف مٹکر دھاڑا۔ یہ سب کیا ہے؟ پہ خالون یہاں کیوں ہے؟

”بخارت عالمی۔ ایں کیا کرتا۔ یہ خالون یہاں آئیں اور بتایا کہ ملزم اُن کا شوہر ہے۔“ دلوں مل کر کوئی کی غیر تالوں بخارت کرتے ہیں۔ لہذا انہیں بھی حراشت میں لے لیا جاتے۔

”پرم نے کیا کیا شاہدہ۔“ سر نیاض بھرائی ہوتی آداز میں ٹوکے۔ ”وہی جا پ لوگوں نے چاہا۔“ شاہدہ نے سرد بخنے میں کما۔ ”میقیناً کوئی غلط فہمی ہوتی ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ بولا۔

گھوڑے نے لگی تھی۔

یا سب "قصہ دراصل یہ ہے کہ تمہارے ڈیڈی نے جماں کو پھنسوانے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔ میں تمہیں سمجھی۔"

"تمہارے کوئی کون ڈی۔ ایس پی میں ۔ ۔ ۔"

"ہاں ہے تو۔ تنویر کا بچہ۔"

"تمہارے ڈیڈی نے انہیں ٹپ کیا تھا کہ چماں کو میں کی شجارت کرتے ہیں۔ یہاں سے اندر ورن ملک بھجوائتے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ چاکتے پہنچ کے آدمی ہیں۔ ملک کے ایک سرے ہے دوسرے پرے تک ان کے جانسند والوں اور مذکون کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ ۔ ۔ ۔ بھر حال ڈی ایس پی صاحب نے چاکی نگرانی میں درج کیا دادی۔ چماں کو علم ہدا لورہ انہیں بتنے وینے پڑیں گے۔ اسی قدر ان میں تم مجھے سے خفا ہو گئیں۔ گھر چھوڑنا پڑا۔ چماں سے ملاقات ہوتی رہنے لگے۔ کچھ دنوں کے لئے باہر چلے جاؤ۔ ۔ ۔ انہوں نے میری روائی کا انتظام کیا۔ تمہارے کوزن کے ماتحت پہچانتے نہیں، سمجھے شاید میں چماکی کوکیں لے کر اندر ورن ملک جا رہا ہوں۔ ایک آدمی راجہ گڑھ تک میرے ساتھ گیا۔ وہاں چانے پسلے سے یہ انتظام کر کھا تھا کہ میرا سوت رکھیں پہل دیا جاتے۔ یعنی ہوا۔ اور ہر ہوں انہوں نے مجھے پکڑ دیا کہنے لگا کہ اُسی بھوت لیس میں کوکیں تھیں جو مجھ سے کوئی اور نہ لے لیں اور اس آدمی کا رکھنیں پڑتے تھے دہاڑ دہاں نکے پولیں رالے اسی پر مصروف ہے کہ میرے پاس کوکیں تھیں۔ بھر حال مجھے یہاں لاایا گیا اور اب تم دیکھو، ہمیں رہی ہو۔

"تو یہ سب کچھ تنویر کے پتے نے کیا ہے۔" شاہدہ دانست پیس کر لیوں۔

"قطعی نہیں . . . ہم دونوں اقبالی مجرم ہیں۔" شاہدہ نے سخت پالجھیں کہا۔

"تقلیل کھول کر انہیں باہر نکالو۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے اپنارجی سے کہا۔ "بہت بہتر جواب یہ کہ کروہ آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک پاہی دھڑتا ہوا دہان پہنچا اور بلندی حلقہ کھنک لے گا۔" ڈی۔ آئی۔ بی صاحب جواب یہ ہے۔" کیا مطلب؟" ڈی۔ ایس۔ پی بوكھلا گیا۔

"رادھر ہی آرہے ہیں شناخت۔ دفتر میں نہیں رکے۔" وہ ہائپشا ہوا بولا۔ ڈی۔ ایس۔ پی اور اپنارجی کا یہ عالم تھا جیسے دہن بانچنا یہ زرع کر دیں گے اور پھر ڈی۔ آئی۔ بی دکھائی دیا تھا۔ تمہانہ نہیں تھا اس کے ساتھ میری المحن بھی تھا۔ اس نے کھڑے کی طرف ہاتھ اٹھا کر اپنی آواز میں کہا۔" یہ ہے میرا دوست اور اس کی بیوی، جنہیں خواہ منوہ کوکین کی غیر قانونی تجارت کے الزام میں بھاٹا لیا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ بی نے ڈی۔ ایس۔ پی کو گھوستے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" حسنور عالی غلط فہمی ہوتی ہی۔ انہیں چھوڑا جا رہے ہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی کا پتی ہوتی آواز میں بولا۔ کوکین لے جانے والے کا تعاب کرنے والے سے غلبی ہوتی ہی۔ ڈی۔ آئی۔ بی جھکڑھ پولیس نے غلط آدمی کو بھیج دیا۔" یہ بلاشبہ ذی عزت لوگ ہیں۔" تو یہ راجھکڑھ پولیس کی غلطی ہے۔

"نجع۔" چنایت عالی۔" چلو۔" رہا کھرو اٹھیں۔

۔۔۔۔۔

"چھوڑنے ہی جا رہے تھے جناب۔" "ایسی غلط فہمیان نہ دیکھنے نہیں۔" "اوہ۔ سرفیاں۔ آپ۔" "وتفاہدی، آئی بی بولا۔" آپ یہاں کھلانے کے لئے بڑھ کر تھے۔ کھڑے تھے۔ آہستہ بڑے بڑے میری بیٹی اور دادا میں جناب۔" سرفیاں سرجھکاہے کھڑے تھے۔ آہستہ بڑے بڑے میری بیٹی اور دادا کے لئے بڑھ کر تھے۔

"اوہ۔ مجھے بے حد شرم دی گئی ہے سرفیاں۔" کچھی کچھی غلط فہمی کی بنائی پر ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس معاملے کو آگئے نہ بڑھائیں گے۔

"سوال ہی نہیں پتیا ہوتا۔" سرفیاں کی اذار پھنسنے لگی تھی۔

۔۔۔۔۔

چلی اور شاہدہ نے مکان میں منسلق ہو گئے تھے۔ شاہدہ کسی طرح بھی اس پر راضی نہ ہوتی کہ وہ کوہی میں قدم بھی رکھے۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی حالت تباہ تھی اور سرفیاں پر ایک بار پھر دل کا دورہ چل گیا تھا۔

چلی بیلے حد میگی دکھائی دیتا تھا۔ دن میں ایک آدمی بار ضرور اعزات کرتا تھا کہ وہ شاہدہ سے بہت ڈڑتا ہے اور شاہدہ ٹھنک کرتی۔" اتنی توجہ سکرتی ہوں۔ تم خواہ منوہ ڈرتے ہو۔ اچھا بتاؤ۔ غصے میں کسی لگتی ہوں۔"

”ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہاکو کی جن بیدیل ہو گئی ہو۔“

”اور تم مجھ سے محبت بھی کرتے ہو۔“

”ایسی دیسی۔ اگر تم مجھے نہ ملتیں تو مارے غم کے منگ پھیلیاں پھینپھرتا۔“

”مگر کچھی بات تم نے سالان اچھا نہیں لپکایا تھا۔“

” تو پھر سکھا دو ڈنا۔“

”گھاس تو نہیں کھائے۔۔۔ مجھے آتی ہے پکانا۔“

مل ہی جلتے گا۔۔۔ باورچی بھی۔۔۔

”باورچی۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ اتنی مالدار نہیں ہوں کہ باورچی آورڈ کر سکوں۔۔۔“

”کھانا پکانے کی ترکیبیں والی کتاب خرید لاؤں گا۔۔۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ وہ تو اور جھی بخواس ہوتی ہے۔۔۔ ایک بازیں نے ایسی ہی کتاب

کی ترکیب سے خلوہ لپکایا تھا۔۔۔ جانتے ہو کیا ہوا تھا۔۔۔“

چلنے سرکونسفی میں جتنش دی۔۔۔

”اس سے لفافے چپکاتے گئے تھے کاغذ کی تھیلیاں بنائی گئی تھیں۔۔۔“

چلنے پھٹڈی سالت لے کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔۔۔ بصد سوز و گذاز

کانے لگا تھا۔۔۔

”سبجنی سے کرو گے بہانہ کیا۔۔۔“

”ختم شد۔۔۔“

”جس طبقے میں ملے۔۔۔“

”جس طبقے میں ملے۔۔۔“

”جس طبقے میں ملے۔۔۔“

”جس طبقے میں ملے۔۔۔“

”جس طبقے میں ملے۔۔۔“